جلد 12 شمارہ 1 نومبر 2009ء ذوالقعدۃ 1430ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللہ

صداقت

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

نگران وسرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : میاں علی رضا

ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین

پیر خان، عتیق احمد عباسی

ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— 20/- روپے

سالانہ فنڈ ———— 200/- روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

دل کی بات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج پاکستان اِس حالت سے گزر رہا ہے کہ ہم بجا طور پہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب حالت جنگ میں ہیں۔ جنگ کے ساتھ ساتھ ہمیں بھوک وافلاس، خوف، ظلم وناانصافی، کرپشن، جہالت اور بے حیائی کے طوفانوں نے بھرپور طریقے سے گھیر رکھا ہے۔ غرض ہماری حالت اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ "دل خون کے آنسو رو رہا ہے" والا محاورہ بھی اِسکی تصویر کشی کیلئے ناکافی محسوس ہوتا ہے۔ بقولِ غالب!

روؤں اپنے دل کو کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

اور دوسری طرف اس ساری صورتحال کا سب سے زیادہ تباہ کن پہلو یہ ہے کہ ہم نے ان تمام باتوں کو جاننے کے باوجود نہ جاننے والا رویہ اپنا رکھا ہے۔ یعنی اِن ساری چیزوں کے تدارک کیلئے جب ہر فرد کا کسی قسم کا کوئی بھی کِردار نہ ہوگا تو یہ جاننے کے باوجود نہ جاننے والا رویہ ہی کہلائے گا۔ معاشرے کا ہر فرد ان تمام باتوں پر تبصرہ کرنے کو تو اپنا حق سمجھے گا مگر جب اس سے پوچھا جائے کہ جناب آپ کا اس صورت حال میں بہتری کیلئے کیا کردار ہے تو اِنکے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا اور اگر چند لوگ یا جماعتیں کسی نہ کسی طور پر (اپنے تئیں) بہتری کیلئے اقدامات اُٹھا بھی رہے ہیں تو وہ اپنی کوششوں کے نتائج سے سبق سیکھ کر اپنے طریقہ کار میں اصلاح کیلئے قطعاً تیار نہیں۔ بلکہ حقیقی بات تو یہ ہے کہ ہر کوئی اپنے مفادات کا اسیر نظر آتا ہے۔ علماء ہیں تو اپنے مکتبہ فکر کی ترویج ہی انکا مشن ہے۔ صوفیاء ہیں تو انہیں اپنے مریدین اور حلقہ ارادت میں اضافہ مطلوب ہے۔ سیاست دانوں کو اپنے بینک بیلنس بڑھانے سے دلچسپی ہے۔ تاجر، جائز وناجائز ذرائع کے چکروں میں پڑنے کو وقت کا ضیاع تصور کرتا ہے۔ رہی عوام، تو اِسے دو وقت کی روٹی کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اس ساری صورتحال میں کوئی طبقہ ایسا نظر نہیں آتا جو اس صورتحال کی سنگینی کا ادراک رکھتا ہو اور اس کا کوئی حل پیش کرے۔ اور اگر کوئی حل پیش بھی کرے

گا۔تو دور کی کوڑی لائے گا کہ فلاں سیاستدان ذمہ دار ہیں، فلاں جرنیل اس صورتحال کا باعث بنا۔فلاں ملک ہماری بقاء اور سلامتی کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ چکا ہے۔ یہ سب باتیں بجا مگر کیا اتنا کہہ دینے سے ہمارا فرض ادا ہو گیا؟ نہیں بلکہ یہ تو بہت آسان کام ہے کہ اپنا سارا بوجھ دوسرے کے سر تھونپ دیا جائے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا اس صورتحال میں کیا کردار ہونا چاہیے اور ہم کس طرح ان تمام مصائب ومشکلات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر چیز کیلئے سبب اور وجہ کا ہونا مقدر کیا ہے۔اس کائنات میں پھیلی ہوئی تمام قوتوں کو انسان کیلئے مسخر تو کیا ہے مگر اسکا کوئی سبب اور علت ضرور بنائی ہے۔(ہم نے نام نہاد مسلمان ہونے کو ہی انعام الٰہی کا موجب سمجھ رکھا ہے) جو طبقہ اِس کے لئے محنت کرے گا یہ قوتیں اسی کی غلام ہوں گی۔اب ہم جن کو کافر کہتے ہیں انہوں نے اِن اسباب (محنت، علم، ٹیکنالوجی کے حصول) کو اختیار کیا اور اللہ کی پیدا کی ہوئی قوتیں اللہ کے بنائے ہوئے قضاوقدر کے تحت اِنکے قابو میں آ گئیں۔اب ہم دُعائیں کر کے سمجھتے ہیں کہ ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہو رہی۔تو ہم نے تو اللہ کے فیصلے اور قانون پر عمل ہی نہیں تو اللہ کے ہاں ہماری خواہش اور دعا کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟اب ان کافروں کے پاس کائنات کے جدید علوم۔جدید ٹیکنالوجی سے لیس ہر قسم کے ہتھیار۔اور تمام دنیا سے زیادہ پیسہ موجود ہے اور ان تمام ذرائع کو لیکر وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں تو کیا ان چیزوں کو کسی دکان میں سجا کر رکھ دیں؟ بلکہ اس بات کو کہتے ہوڈرنا چاہیئے کہ کہیں اللہ نے ہماری بے عملی کی سزا دینے کیلئے ہی انکو ہمارے اوپر مسلط تو نہیں کر دیا؟

اب اس کا ایک ہی حل موثر اور پائیدار ثابت ہو سکتا ہے کہ ہم ایسے پکے مومن بن جائیں جیسا قرآن بنانا چاہتا ہے(یہ بات ہر طبقہ کریگا لیکن کبھی قرآن واحادیث میں سے ڈھونڈ کر مومنین کی صفات کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا بھی، دوسرے لفظوں میں کبھی اپنے گریبان میں جھانکا بھی) یہ بھی اللہ کا قانون ہی ہے کہ اگر اس سے محبت کرنیوالے مومنین کی ایک جماعت، اللہ کے معیار کے مطابق تیار ہو جائے تو وہ مادی وسائل سے لیس قوتوں کو اپنے پیارے بندوں کے

مقابلے میں زیر کروا دیتا ہے۔ اور تمام اسباب کے باوجود انہیں منہ کی کھانا پڑتی ہے۔ مگر بات یہ کہنا آسان ہے، کرنا مشکل۔ ایک پکا اور سچا مومن بننے کیلئے دنیا کے رسم و رواج کو توڑنا اور شیطان اور نفس کی خفیہ فریب کاریوں سے سخت مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اسکے بعد بھی اگر اللہ کا فضل شامل ہو تو بندے میں مومنین کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

اب یہی ایک ایسا طریقہ نظر آتا ہے جو موجودہ صورتحال میں ہمارے لئے اُمید کا پیغام بن سکتا ہے کہ ہم مردِ مومن بن جائیں اور انکے علاوہ ہر فرد جس بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور وہاں جس حیثیت سے بھی متعین ہے اپنے اپنے حصے کا کام جہاد سمجھ کر کرے دوسروں پر تنقید چھوڑ کر اللہ نے جتنے کام کا اختیار دیا ہے اسی کو بہتر سے بہتر بنانے کی جدوجہد کرے (ایک دیوار تبھی سیدھی کھڑی ہوتی ہے کہ اس کی ہر اینٹ اپنے اپنے مقام پر رہے۔ اگر بنیاد میں لگنے والی اینٹ چھت پر لگنے کی ضد کرے اور چھت والی درمیان میں جانے کو کہے تو دیوار سلامت نہیں رہ سکتی۔ ہمارا آج یہی حال ہے) اس طرح جب سوسائٹی میں مومنین کی تعداد اس حد تک پہنچ جائے گی کہ اللہ کو ہماری حالت پر رحم آ جائے تو ہماری دُعاؤں میں بھی اثر آ جائے گا اور ہمارے عمل میں بھی قوت پیدا ہو جائے گی۔ اللہ سے دُعا کریں کہ ہمیں اجتماعی معافی عطا کر دے اور ہمارے اوپر اپنا فضل و کرم کر دے کہ ہم میں ایمان والوں کی خصلتیں پیدا ہو جائیں اور ہم ان ہنگامی حالات کی دلدل سے نکل آئیں۔ آمین!

اور یہ کام آسان ہو سکتا ہے اگر ہم کسی ایسے مردِ کامل و مردِ حق آگاہ کی صحبت ڈھونڈیں جو ہمارے دلوں کو ہوا و حوس اور گناہوں کے میل کچیل سے پاک کر دے اور اللہ کیساتھ اُسکا جو قلبی و روحانی تعلق ہے اُس میں سے ہمیں بھی کچھ حصہ دے دے۔ اور ہم ہر کام اللہ کی محبت میں سرشار ہو کر کریں۔ کہ اُسی کام کا اللہ کے ہاں مول ہے جو اسکی محبت میں ڈوب کر کیا جائے۔

والسلام! احمد رضا

درس قرآن

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

تورات کا ملنا اور بچھڑے کی پوجا

دریائے نیل پار کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے طور پر بلایا اور ان کو الواح عطا کیں۔ اسی دوران میں ایک انتہائی ہوشیار اور شعبدہ باز شخص نے جو مختلف قسم کی حیران کن حرکات کیا کرتا تھا، سونے کا ایک بچھڑا بنایا اور اس کی پوجا شروع کرادی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو منع فرمایا۔ کچھ لوگ باز آ گئے جبکہ کچھ اپنے عمل پر ڈٹے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم تو بچھڑے کی پوجا میں لگی ہے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام کے ساتھ سختی کی۔ انہیں ڈانٹا بلکہ قرآن کے الفاظ میں ان کو سر سے پکڑ کر جھنجھوڑنے لگے۔ ہارون علیہ السلام کا جواب انکے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْآ ○
اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ ○
قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِىْ وَلَا بِرَاْسِىْ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ ○

"(موسیٰ علیہ السلام قوم کو ڈانٹنے کے بعد ہارون علیہ السلام کی طرف پلٹے اور) بولے: ہارون! تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟ ہارون علیہ السلام نے جواب دیا: اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑ! نہ میرے سر کے بال کھینچ! مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آ کر کہے گا کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا"۔

(طٰہٰ: 92:93)

اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام نے اپنے سامنے بچھڑے کی پوجا ہوتے ہوئے دیکھی، بات کھول کر بیان کردی، لیکن ڈنڈا لے کر پیچھے نہیں پڑے اور نہ ہی جتھے بازی کر کے قوم کو فرقوں میں

بانٹ دیا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ جناب میں نے تبلیغ کر دی تھی اور ان کے سامنے حق بھی بیان کر دیا تھا لیکن اگر میں سختی کرتا تو آپ ہی مجھے کہتے کہ ہارون! تم نے بنی اسرائیل کو فرقہ فرقہ کر دیا، اور میری اُمت کا ستیاناس کر دیا۔

میدانِ حشر میں ظالموں کی رسوائی

اس واقعہ کی تفصیلات کے بعد قیامت اور وقوع قیامت کے مناظر پر مشرکین مکہ کے چند خدشات کا ازالہ اور پھر قیامت کے روز فیصلے کے بعد جو کیفیت ہوگی، اس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا:۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًاo وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَمُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا o وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَافِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًاo

''اس قائم اور زندہ رہنے والے کے حضور منہ لٹک جائیں گے اور جس نے ظلم کا بوجھ اُٹھایا، وہ نامراد رہا۔ اور جس نے حالت ایمان میں نیک عمل کئے، تو اس کو ظلم اور نقصان کا ڈر نہ ہوگا اور ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا۔ اس میں طرح طرح کے ڈراوے بیان کئے تا کہ لوگ گناہوں سے بچیں۔ یا وہ ان کیلئے سامانِ نصیحت مہیا کرے''۔ (طٰہٰ 111:113)

آدم علیہ السلام اور پیغامِ الٰہی

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں چند جملے ارشاد ہیں:

وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰی o قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی۔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی o وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰیo قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًاo قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى○

''آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کر لی اور اسے ہدایت بخشی اور فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا اور جو میرے ذکر یا پیغام سے منہ موڑے گا، اس کیلئے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اُٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: پروردگار! دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا۔ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسی طرح سے تو ہماری آیات کو جبکہ وہ تیرے پاس آئی تھیں تو نے بھلا دیا تھا، اسی طرح آج تجھے بھلایا جا رہا ہے''۔ (طٰہٰ 121-126)

قرآنِ مجید کے ساتھ اندھا پن

اندھا اُٹھائے جانے والی بات کا تعلق اس آیت سے بھی ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے پھر ملاحظہ فرمائیں:۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ۔ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ○

''دیکھو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے بصیرت کی روشنیاں پہنچ گئی ہیں جس نے ان کو آنکھیں کھول کر پڑھا، اس میں اس کا اپنا بھلا ہے اور جو اندھا ہو کر رہا تو اس کا وبال اسی پر ہو گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں''۔ (الانعام:106)

اوقاتِ نماز

سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کے اجمالی ذکر کے بعد ایسا حکم دیا گیا ہے جس میں ایک مومن مبلغ کو روحانی قوت اور قلبی طمانت وسکون ملتا ہے:

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۔ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

تَرۡضٰی٥ وَلَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡہُمۡ زَہۡرَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۔ لِنَفۡتِنَہُمۡ فِیۡہِ٥

''پس جو کچھ یہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو، اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح وحمد کیا کرو اور رات کی گھڑیوں میں بھی اس کی تسبیح کرو اور دن کے اطراف میں بھی، تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کیلئے دی ہے''۔ (طٰہٰ :131-130)

اِس مقام پر اوقاتِ صلوٰۃ کی جانب واضح اشارہ ہے۔ طلوعِ آفتاب سے قبل فجر کی نماز، غروبِ آفتاب سے قبل عصر کی نماز، رات کے اوقات میں عشاء۔ دن کے تین کنارے ہیں۔ پہلا کنارہ صبح دوسرا کنارہ زوالِ آفتاب سے قبل اور تیسرا کنارہ شام۔ ان سے مراد فجر، ظہر اور مغرب ہے۔ گویا پانچ نمازوں کی ادائیگی اور اہتمام کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو سکون اور خوشی میسر رہے گی۔

اس کے بعد گناہوں کی طرف راغب کرنے والی ایک خرابی سے روکا گیا کہ کفار کو فائدہ اُٹھانے کیلئے جو سامان زیست دیا گیا، مسلمان اس کی جانب التفات نہ کریں کیونکہ ان کو اس مال و دولت سے آزمایا جانا مقصود ہے اور یہ سامان اس کیلئے فتنے کا باعث ہے۔

اوپر جن نمازوں کی جانب اشارہ تھا، ان کی اہمیت کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَاۡمُرۡ اَہۡلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا لَا نَسۡـَٔلُکَ رِزۡقًا ۔ نَحۡنُ نَرۡزُقُکَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلتَّقۡوٰی٥ (طٰہٰ :132)

''اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو، ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے۔ رزق تو ہم ہی تمہیں دے رہے ہیں اور انجام کی بھلائی تقویٰ ہی کیلئے ہے''۔

صلوٰۃ کے معنی

یہاں صلوٰۃ کا لفظ پورے دین کے معنی میں ہے۔ چونکہ دین میں نماز کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، اس لئے اس کو دین کا ستون (Pillar of Islam) قرار دے کر فرمایا

کہ یہ تمہارے کرنے کا کام ہے: دین کو آگے پہنچانا، اپنے گھر سے شروع کرنا اور اسی میں اپنی پوری زندگی کھپا دینا! رہ گیا رزق کا معاملہ تو اللہ نے ہمیں دنیا میں رزق کمانے کے لئے نہیں بھیجا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے۔ ہمیں رزق کو اپنی پہلی ترجیح نہیں بنانا چاہیے بلکہ اس کو دوسرے درجے کی ترجیح (Secondary Importance) پر رکھنا چاہئے۔ ہمارا کام دین کو سمجھنا اور سمجھانا ہونا چاہئے۔ یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی ذِمہ داری نہیں تھی بلکہ تمام مومنین کی ذمہ داری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے''۔ (الذاریات:56)

یہ نہیں کہ وہ رزق کماتے پھریں یا رزق کما کر مجھے کھلائیں۔ اللہ ہی رزق دینے والا، قوت دینے والا اور زبردست ہے۔ نبی اور ولی بلکہ عام آدمی کی پہلی ترجیح یہ ہونی چاہئے کہ وہ دین کو سمجھے، سمجھائے اور پھیلائے۔ رزق کا معاملہ دوسری ترجیح ہونی چاہئے۔ حصول رزق کی وہ اہمیت نہیں ہے جو دین کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو شخص اپنی زندگی دین کے راستے میں کھپا دے، دنیا کی ساری ضرورتیں ہاتھ باندھ کر خود ہی اس کے پیچھے پیچھے چلی آتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے طور پر ان کا بندوبست کر دیتا ہے۔

اللہ ربُ العزت ہمیں حقیقی معنوں میں قرآن کا علم عطا فرما دے۔ اس کو ہمارے رگ و ریشہ میں اُتار دے۔ اسے ہماری شخصیت کا حصہ بنا دے اور اس کو قیامت کے دن ہمارا شفیع بنا دے کہ اسی میں ہم سب کی فلاح ہے۔ (آمین)

سالانہ خطبہ

بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب کا سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا 2009 کے اجتماع پر دیا گیا خطبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْاَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ٥ وَذَکَرَاسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ٥ (اعلیٰ)

بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس کا تزکیہ ہوا۔ اور اس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور اس نے نماز ادا کی۔

معزز برادران!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور نبی کریم پر صلوٰۃ وسلام کے بعد میں اللہ رحیم وکریم سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے تمام بھائیوں کو نمازوں، کثرت ذکر اور قرآن کریم کی باترجمہ تلاوت کے ذوق میں مزید اضافہ فرمائے اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین

میں نے سورۃ اعلیٰ کی جو دو آیات بیان کرنے کی سعادت حاصل کی اس میں اہل ایمان کی فلاح کیلئے تین باتوں کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

1۔ تزکیہ　　2۔ رب کے نام کا ذکر　　3۔ نماز۔

تصوف یا مقام احسان کے حصول کیلئے جو نسخہ کیمیا استعمال کیا جاتا ہے وہ بھی انہی اجزائے ثلاثہ پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے تزکیہ کو لے لیں۔

1۔ تزکیہ:۔

تزکیہ کے معنی ہیں کسی چیز پر جمے ہوئے گند یا زنگ کو صاف کر دینا۔ اُس کو اس طرح مانجھنا کہ جما ہوا میل کچیل دور ہو جائے اور اس کا اصل رنگ ورُوپ نکھر آئے۔ انسانی قلوب پر غصہ، غرور، غیبت، غفلت اور گناہوں کے سبب جو سیاہی جم جاتی ہے اس کا علاج روحانی انوار وتجلیات یا جذب کی مقناطیسی لہروں سے کیا جاتا ہے۔ شفاءُ القلوب کے عظیم کام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے گئے سب سے بڑے معالج حضور نبی کریم احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے فیض نبوت نے لاکھوں دلوں کی سیاہی دور کر کے انہیں اللہ کے نور سے منور کر دیا۔ جو

اہل ایمان ایک مرتبہ بھی آپ کی محفل میں حاضر ہو کر انوارِ نبوت سے فیض یاب ہو جاتا وہ آپ کے صحابہ کے مقدس گروہ میں شامل ہو جاتا اور ایمان کی لذت اُس کے دل میں اس طرح نفوذ کر جاتی جو کسی دوسرے طریقہ سے ممکن ہی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیض رسالت اور جذب کی امانت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی ہوئی آج بھی نفوس قدسی کے توسط سے شفاء رسانی کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

قرآن کریم میں چار مقامات پر تقریباً ملتے جلتے الفاظ میں حضور ﷺ کے مقاصد بعثت بیان کرتے ہوئے چار فرائض منصبی بتائے گئے ہیں اور وہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت۔ ۲۔ تزکیہ۔ ۳۔ تعلیم کتاب۔ ۴۔ تعلیم حکمت۔

یہاں تزکیہ کا ذکر کتاب وحکمت کی تعلیم سے پہلے لاکر اس کی اہمیت کو اُجاگر کر دیا گیا ہے۔ گویا اس زمانہ میں بھی تزکیہ کی ضرورت اور اہمیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور حضور ﷺ کے سچے جانشینوں کے فیضانِ نظر کے بغیر لذت آشنائی کا حصول ناممکن ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

می نہ روئید تخم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندانِ دِل

یعنی اللہ تعالیٰ نے روزِ الست ہی ہر دل میں اپنی محبت کا بیج ڈال دیا تھا لیکن یہ بیج مٹی اور پانی سے نہیں اُگتا بلکہ اہل دل حضرات کی نگاہوں کے فیض سے یہ پھوٹتا ہے۔

2۔ اللہ کا ذکر:۔

برادران کرام! جن برتنوں اور اشیاء کو مزید چمکانا اور زنگ سے محفوظ رکھنا مقصود ہو اِن سے پرانا زنگ دور کرنے کیلئے پہلے ان کو مانجھا جاتا ہے یا کیمیکلز کے ذریعے مکمل صفائی کی جاتی ہے پھر ان پر قلعی، نکل، کرومیم یا جست وغیرہ دھاتوں کی باریک سی تہ کی کوٹنگ کی جاتی ہے۔ اسے صِقل کرنا کہا جاتا ہے۔ دِل جو کہ اللہ کا گھر بھی ہے اِسے بھی تزکیہ کے بعد صقل کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ اس میں کلام اللہ کے انوار کو قبول کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ **لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○** کی درست تشریح یہی ہے کہ قرآن کریم کی معنویت تک رسائی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی سوائے انکے جو پاک دل ہوں۔ قلبی طہارت کی نعمت کے حصول کیلئے حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کا فرمودہ نسخہ شفاء آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

☆ لِكُلِّ شَیْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰهِ۔ (بیہقی)

''ہر شے کو چمکانے کیلئے پالش ہوتی ہے۔ اگر تم دلوں کو صقل کرنا چاہو تو اللہ کے ذکر سے صقل کرو''

اسی لئے فلاحِ کامل کیلئے دوسری شرط ''اپنے رب کے نام کے ذکر'' کی بتائی گئی۔ ہمارے رب کا نام ''اللہ'' ہے۔ جو ہمارا معبود ہے، محبوب ہے، مقصود ہے۔ اس ذکر کی عظمت اور فضیلت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں یوں کیا۔ **وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ** یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔ یہی سب سے بڑی دولت ہے اور قرآن کریم میں بار بار کثرتِ ذکر کا حکم فرمایا۔ اُٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے اور لیٹے ہوئے یعنی اللہ کا ذکر کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ ''اے اہل ایمان تمہارے اموال واولاد کہیں تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں جس نے ایسا کیا وہ خسارا اُٹھانے والوں میں سے ہوگا''۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر کے علاوہ کسی دوسری عبادت کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور ذاکرین کو یہ نوید مسرت دی کہ ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا'' اور بے چین روحوں کی تسکین کیلئے ارشاد ہوا۔ **اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** ''جان لو کہ دل اللہ کے ذکر ہی سے اطمینان پاتے ہیں''۔ فضائل ذکر بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

☆ ''ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال ایسے ہے جیسے زندہ اور مردہ''۔

☆ ''جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ اس کا ہمنشین ہوتا ہے''۔

☆ ''سب سے اچھا مال اللہ کا ذکر کرنے والی زبان اور اللہ کا شکر کرنے والا دل ہے''۔

☆ ''کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو تمہارے اعمال میں سے بہتر ہے۔ تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور سونے چاندی کو خرچ کرنے سے بھی بہتر ہے۔ اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مقابلہ کرو پھر تم ان کی گردنیں کاٹو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ ضرور بتلائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ عمل ''اللہ کا ذکر'' ہے۔

میرے پیارے پیارے بھائیو! انسان ہر وقت صرف اسے ہی یاد کرتا ہے جس کی محبت اس کے رگ وپے میں سما جائے۔ جس کا پیار شعور سے گذر کر تحت الشعور بلکہ لاشعور کی گہرائیوں تک

اُتر جائے۔ جس کا خیال اس کے حواس پر ہمہ وقت چھایا رہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ۔165) اور جو اہل ایمان ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ شدید محبت کا یہ جذبہ ہی اسلامی زندگی کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہی روح اخلاص ہے۔ جس کی وجہ سے دوسرے تمام عمال کو شرف قبولیت عطا کیا جاتا اور انکا اجر کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث شریف کی روشنی کی مدد سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جائے گی۔

عَنْ مَعَاذِ ابْنِ اَنَسِ الْجُهَنِی عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَّسَلَّمَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَهٗ اَیُّ الْمُجَاهِدِيْنَ اَعْظَمُ اَجْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ اَكْثَرَهُمْ لِلّٰهِ تَعَالٰی ذِكْرًا۔ قَالَ اَیُّ الصَّائِمِيْنَ اَكْثَرُ اَجْرًا؟ قَالَ اَكْثَرُهُمْ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ذِكْرًا ثُمَّ ذَكَرَ الصَّلٰوةَ وَالزَّكٰوةَ وَالْحَجَّ وَالصَّدَقَةَ كُلُّ ذَالِكَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرُهُمْ لِلّٰهِ ذِكْرًا○ (مسند احمد)

"معاذؓ بن انس جہنی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ جہاد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر اجر پانے والا کون ہے؟ فرمایا جو ان میں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ ذکر کرنے والا ہے۔ اُس نے عرض کیا روزہ رکھنے والوں میں سب سے زیادہ اجر کون پائے گا؟ فرمایا جو اُن میں سب سے زیادہ ذکر کرنے والا ہو۔ پھر اُس شخص نے اسی طرح نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ ادا کرنے والوں کے متعلق پوچھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ایک کا یہی جواب دیا کہ جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ ذکر کرنے والا ہو"۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اپنے نام لیواؤں سے کس قدر محبت کرتے ہیں اور محبت کے ساتھ ادا کئے گئے اعمال کو کیسا شرف پذیرائی عطا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکت ہی سے بندے کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہو جاتا ہے اور پھر بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور اسی کے طفیل آخر کار اللہ تعالیٰ کے قرب اور اسی کے دیدار کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ پیار سے پکارا گیا اللہ کا نام راستے میں نہیں رُکتا بلکہ براہ راست عرش الٰہی پر دستک دیتا ہے۔

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ
سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

جس وقت کوئی سالک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان اس کے قلب سے علیحدہ ہو جاتا ہے کیونکہ ذکر کا نور اسے قریب نہیں آنے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب شیطان اپنے مکروفریب کے جال میں کسی کو پھنسالیتا ہے تو سب سے پہلے اسے اسکے نورانی ہتھیار یعنی ذکر سے محروم کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

☆ اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡہِمُ الشَّیۡطٰنُ فَاَنۡسٰہُمۡ ذِکۡرَ اللّٰہِ ۔

''شیطان ان پر مسلط ہو گیا اور اس نے انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا''۔

3۔ نماز

اب ہم اللہ تعالیٰ کے قرب کے سفر کی تیسری منزل یعنی نماز کی حقیقت کے بارے میں گذارش کریں۔ ہر شے کی طرح نماز کا بھی ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ ظاہر تو سبھی دیکھ لیتے ہیں لیکن باطن کو ہر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِی ط اور نماز قائم کر میرے ذکر کیلئے۔

یعنی نماز صرف اللہ تعالیٰ کی یاد کیلئے ہے۔ نہ کہ دُنیوی امور کے بارے میں بھولی ہوئی باتوں کو یاد کرنے کیلئے۔ اصل نماز تو وہ ہے کہ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک اللہ کے سوا کسی ہستی کا خیال نہ آئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوۡرِ الۡقَلۡبِ یعنی نماز نہیں ہوتی جب تک دل اس میں حاضر نہ ہو۔ دل کی حاضری والا معاملہ پہلی دو منزلوں یعنی تزکیہ اور کثرتِ ذکر کو طے کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

مرشد کی توجہ کے بغیر قلب کی سیاہی دور نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کی محبت بیدار ہوتی ہے اور اس کے بتائے ہوئے ذکر کی برکت اور روحانی فیض سے سوز و گداز اور خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر نماز میں سرور واستغراق حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اس کے بغیر نماز ایک بوجھ بن کر رہ جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّہَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخَاشِعِیۡنَ یعنی نماز بہت بھاری ہے سوائے ان لوگوں کے جو خشوع کرنے والے ہیں۔ نماز تو اللہ تعالیٰ کا اُمتِ محمدیہ

کیلئے خاص تحفہ ہے جو رب کریم نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی فرمائش پر معراج کی مبارک ساعتوں میں عطا فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا **اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن** کہ نماز مومنوں کیلئے معراج ہے اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ **اَلصَّلٰوۃُ مِفْتَاحُ الْجَنَّۃِ** یعنی نماز جنت کی کنجی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کامل حضوری ہی روحِ نماز ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اگر کوئی شخص دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ وہ بیچ میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے''۔ یہ ہے حضوری والی نماز کا اجر۔ حضور نے احسان کی تعریف یوں فرمائی کہ **فَاعْبُدْ رَبَّکَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ**۔ ''تو اللہ تعالیٰ کی بندگی ایسے کر گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اُسے نہ دیکھ سکے تو پھر وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے''۔

معراج بھی یہی ہے کہ بندے کو اللہ کی لقاء نصیب ہو۔ حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کے طفیل جنت کی کنجی، مرتبہ احسان اور اللہ تعالیٰ کے دیدار تک رسائی ممکن ہوئی۔ لیکن یہ عظیم سعادت ان خوش بختوں ہی کو عطا ہوتی ہے جنہیں صحبتِ مردِ کامل، کثرتِ ذکر اور حضوری والی نمازوں کی توفیق نصیب ہو جائے۔

دم عارف نسیم صبحدم ہے
اِسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(اقبالؒ)

برادران کرام! آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ آپ کو خاندان توحیدیہ میں شمولیت کا شرف عطا ہوا جس کے بانی اور سربراہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ ایسے عظیم المرتبت بزرگ ہیں جنہیں اِس زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تصوف کو تمام خرابیوں سے پاک کر کے، قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالا اور موجودہ دور کے سالکین کیلئے اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے دیدار کی راہیں آسان بنا کر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات اپنی محبت کے سچے طالبین اور مسلسل انتھک محنت کرنے والوں کو ضرور فائز المرام کرتی ہے۔

پیارے رسول ﷺ کی پیاری زبان (سبق نمبر ۳)

محمد صدیق ڈار توحیدی

اعراب

زبر، زیر، پیش، شداور جزم وغیرہ کو عربی میں اعراب کہتے ہیں۔ان کے بغیر تلفظ درست نہیں ہوسکتا۔عربی میں اعراب کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں۔قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس کوتاہی سے کلمہ کفر بن جاتا ہے اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

1۔ ـَ اِسے نَصب یا فَتح کہتے ہیں اور جس حرف پر یہ آئے اُسے مَنصوب یا مَفتُوح کہا جاتا ہے۔

2۔ ـِ اِسے جَر یا کَسر کہتے ہیں اور جس حرف پر یہ آئے اُسے مَجرُور یا مَکسُور کہا جاتا ہے۔

3۔ ـُ اِسے رَفع یا ضَم کہتے ہیں اور جس حرف پر یہ آئے اُسے مَرفُوع یا مَضمُوم کہا جاتا ہے۔

4۔ ـْ o اِسے سُکون یا جزم کہتے ہیں اور جس حرف پر یہ آئے اُسے ساکن یا مجزُوم کہا جاتا ہے۔

5۔ ـّ اِسے تشدید کہتے ہیں۔اور جس حرف پر ہو اِسے دو دفعہ پڑھا جاتا ہے اور مُشدّد کہلاتا ہے۔

6۔ ـٓ اِسے مَد کہتے ہیں جس کے معنی ہیں لمبا کرنا۔جب الف، ہمزہ اور زبر اکٹھے ہو جائیں تو الف کی آواز کھینچ کر نکالی جاتی ہے۔ایک مَد چھوٹی ہوتی ہے ایک بڑی۔

7۔ ـً ـٍ ـٌ دو زبر، دو زیر اور دو پیش کو تنوین کہتے ہیں کیونکہ ان سے نون کی آواز نکلتی ہے۔جس پر یہ علامت ہو اُسے مُنوَّن کہتے ہیں۔جس کلمہ پر تنوین ہو وہ لازمًا اِسم ہوتا ہے۔

8۔ ہَمزَہ (ء) جب الف پر زیر، زبر یا پیش ہو تو اِن کے ساتھ ہمزہ ضرور آتا ہے۔الف کی حیثیت صرف معاون کی ہوتی ہے اور پڑھنے میں صرف ہمزہ ہی آتا ہے۔زبر اور پیش کے ساتھ ہمزہ اُوپر لکھا جاتا ہے۔اگر زیر ہو تو ہمزہ الف کے نیچے لکھا جاتا ہے۔ (جاری ہے)

اسلام کا تصور ملکیت

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

اِس امر سے حالات حاضرہ پرنظر رکھنے والا ہر شخص آگاہ ہے کہ دنیا میں اِس وقت معاشی حوالے سے دو نظام قائم ہیں ایک سرمایہ دارانہ اور دوسرا اشتراکی، سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد مطلق اور لامحدود ملکیت پر ہے اور اشتراکی نظام معیشت میں نجی ملکیت کا سرے سے کوئی تصور نہیں، تمام ذرائع پیداوار سوسائٹی اور سٹیٹ کی ملکیت ہیں، اسلام کا اپنا ایک تصور ملکیت ہے جو ہر لحاظ سے انسانی فطرت کے متقضیات کے عین مطابق اور اِنتہائی عادلانہ اور انقلاب پرور ہے۔

اگرچہ انسان شروع دن سے معیشت کا اسیر رہا ہے لیکن اس کی روش میں جارحیت اِس وقت پیدا ہوئی جب فرانس کا عظیم الشان صنعتی انقلاب برپا ہوا، نئے پیداواری ذرائع کے ساتھ ساتھ نئے معاشرتی روابط اور رشتے استوار ہوئے جن سے نہ تو صرف نظر ممکن ہے اور نہ ہی کل انکار کی پالیسی درست ہے، یورپ میں صنعتی انقلاب کے ظہور سے قبل ممکن ہے کہ طبقاتی اونچ نیچ کو راضی برضا اور تقدیر پرستی کے حوالے سے جائز قرار دیا جاتا ہو لیکن اب انسانیت اِس نقطے پر پہنچ گئی ہے کہ وہ ''وعدہ فردا'' پر ''امروز'' کو ترجیح دینے پر مصر ہے، مظالم اور مصائب کی چکی میں پسی ہوئی مخلوق اب سرمایہ دارانہ نظام کے ''ارباب'' اور جاگیر دارانہ سسٹم کے ''پروردگان'' کو مصائب و آلام کے اِس جہنم میں دھکیلنے کی آرزو رکھتی ہے جس میں وہ صدیوں اور نسلوں سے جلتی چلی آرہی ہے، معاشی افکار ونظریات کا جائزہ لیتے ہوئے بالعموم کارلائل، اسکن، ملز، آدم سمتھ، اپلے، الفریڈ، رابنسن اور کارل مارکس کے نام سامنے آتے ہیں لیکن ان سب نے زندگی بھر مغز ماری کے باوجود ابھی تک انسان کو اس نظام سے آشنا نہیں کیا جو بیک وقت ''انسانیت'' اور ''آدمیت'' دونوں کے تقاضوں کو پورا کرسکتا ہو، یہ اعزاز صرف جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے حصے میں آتا ہے جنہوں نے انقلاب پرور فکر اور انسانیت نواز عمل سے نہ تو انسان کو ''معاشی حیوان'' بننے دیا اور نہ ہی اِسے جزیروں کی مخلوق بنایا جنہیں انسانی تقاضوں کی سرے سے خبر ہی نہ ہو، قیام پاکستان سے لے کر اب تک وقتاً فوقتاً معاشی مسئلے میں جوار بھاٹا پیدا ہوتا رہا لیکن ۸۰-۱۹۷۰ کے عشرے

میں یہ مسئلہ موج اور تیز لہر بن کر اُبھرا ہے اگر اس لہر کو راستہ نہ ملا تو کچھ عجب نہیں کہ یہ سب کچھ بہا لے جائے حتی کہ دین، اخلاق، روایات اور ملکی سالمیت (اللہ نہ کرے ایسا ہو)۔

یہ انتہا پسندی اس وقت شدت اختیار کر لیتی ہے جب اسلام جیسے عادلانہ اور انسانیت پرور دین کی تعبیر کرنے والے اِسے سرمایہ دارانہ نظام کا ضمیمہ بنا کر رکھ دیتے ہیں اور ان پیشہ ور مفسرین کی چونکہ روٹی کا بندوبست مستقل ہے۔ اِس لئے انہیں مستقبل کے خطرات کا نہ تو احساس ہے اور نہ ہی وہ ''جہان نو'' کے تقاضوں سے واقف دکھائی دیتے ہیں۔

ہماری بدقسمتی یہ رہی ہے کہ دین اسلام کو ہم نے ''مذہب ثواب'' کے طور پر جانا اور لوگوں سے منوایا ہے مگر اِسے ''دین انقلاب'' کے طور پر نہ سمجھا ہے اور نہ لوگوں کو اِس کی تعلیم دی ہے، ہمارے مذہبی ماحول میں ایک بدترین قسم کی تثلیت قائم رہی ہے اور اب تک ہے کہ جب بات نماز، روزے، تسبیح، حج، نوافل، داڑھی اور مسواک کی آئے گی تو زور دیا جائے گا کہ حضورﷺ کی سنت یہ ہے اور جب بات معیشت کی آئے گی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب ہمارے لئے حجت ٹھہریں گے اور جب تذکرہ سیاست کا ہوگا تو ہم دور بنو اُمیہ، عہد عباسیہ اور تغلقوں اور مغلوں کی بات کریں گے حالانکہ ہم سب کیلئے اسوہ حسنہ جناب رسالت مابﷺ کی زندگی ہے سیاست ہو، معیشت یا معاشرت۔

ہم اگر مسلمان ہیں تو صرف اِس لئے کہ آنحضورﷺ کو اپنا بلاشرکت غیرے رہبر و رہنما سمجھتے ہیں اور آپ کا اسوہ حسنہ دین و دنیا میں مثالی اور واجب تقلید ہے، تو پھر کیوں نہ عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، سیاست، معیشت اور معاشرت میں آپ ہی کے اسوہ حسنہ کو واجب الاتباع قرار دیا جائے؟ یہاں یہ سوال پیدا ہونا لازمی ہے کہ حضورﷺ کا انداز معیشت کیا تھا، مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آپؐ نے زندگی بھر زکوٰۃ نہیں دی جبکہ یہ امر فریضہ ہے اِس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اتنا کچھ پس انداز ہی نہیں کیا کہ اِس پر زکوٰۃ عائد ہو، آپ کی وراثت تقسیم نہیں ہوئی جس کا مفہوم سوائے اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ آپ نے کچھ جمع ہی نہیں کیا، ہمیں جرات کر کے یہ تگڈم ختم کرنی چاہئے اور طے کرنا چاہئے کہ سیاست بھی محمدی ہو، معاشرت بھی

محمدی ہو اور معیشت بھی محمدی ہو۔

دراصل ہمارے ہاں اسلام کے احکام وقوانین کے بارے میں کنفیوژن کی کچھ وجوہ ہیں جن پر غور تو ہم کرتے نہیں اور فتوے چلاتے رہتے ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ اسلام درحقیقت کسی ضابطے کا نہیں رویے کا نام ہے جو پوری زندگی اور اس کے تمام شعبوں پر محیط ہے، ہم اِسے قانونی شقوں، فقہی موشگافیوں اور کلامی باریکیوں سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی حضرت انسان کے مسائل دور ہوں یا نہ ہوں، سوسائٹی کی فلاح ہو یا نہ ہو، عملی پیچیدگیاں ختم ہوں یا نہ ہوں کسی طرح لکھے ہوئے اور مرتب کئے ہوئے قوانین کی آبرو رہ جائے، دوسری وجہ یہ ہے بمشکل تیس پینتس برس خلافت راشدہ رہی اور لگ بھگ پونے چودہ سو سال تک ملوکیت، آمریت اور انارکی رہی اب ظاہر ہے کہ اِن صدیوں میں نہ جانے کتنے دبیز اور گہرے پردے اِن تعلیمات پر پڑ گئے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے پیش کیں اگرچہ اِن کے الفاظ وحروف تو موجود ہیں لیکن وہ ماحول، کیفیت، سوچ اور رویہ اور روح نہیں رہی جہاں ان تعلیمات کا اطلاق اور انطباق ہو سکے، ضرورت اِس وقت وہ ماحول پیدا کرنے اور شعور اُبھارنے کی ہے جہاں اسلام اپنی تمام رعنائیوں اور دلنوازئیوں کے ساتھ نافذ ہو پھر دیکھیں گے کہ کس طرح زندگی کے مسائل حل نہیں ہوتے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کئی صدیون سے اُمت کو ایک مرکز میسر نہیں اور اِدھر اُدھر کی بے کار سرگرمیوں کے باوجود کوئی نصب العین اور واضح اور متعین مقصد پیش نظر نہیں رہا، ہماری تاریخ بھی اِس لحاظ سے اتنی قابل رشک نہیں کیونکہ ہمارے اقتدار کے محلات اپنوں ہی کے خون اور ہڈیوں کے ذریعے اِستوار ہوتے رہے، بنو اُمیہ نے خلافت اِسلامی کے خلاف سازش کی اور کھلم کھلا بغاوت کر کے ملوکیت قائم کی۔ بنوعباس نے بنو اُمیہ کی ہڈیاں پیس ڈالیں، اِسی طرح سلجوقی، خلجی، لودھی، تغلق، مغل، سوری، ابدالی اور عثمانی اپنی پوری زندگیاں ایک دوسرے کی حکومتوں کو تہس نہس کرنے، اُنہیں اُکھاڑنے پچھاڑنے اور اِن کو ملیا ملٹ کرنے میں کھپاتے رہے، جس طرح اِنفرادی طور پر کوئی بے روزگار اور آوارہ نوجوان ہر آئے دن کسی نہ کسی سے لڑتے جھگڑتے پکڑا جاتا ہے اور جرم کرتا نظر آتا ہے اِسی طرح ہم بے کار اور لامرکزیت کے روگ میں مبتلا ہونے کے

باعث برگ آوارہ بن کررہ گئے، اس عرصے میں نہ جانے کتنے دفتر اور دستاویزات مختلف حکومتوں کی خواہشات کو پورا کرنے اور ان کے عہد جبر کو طول اور دوام دینے کی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے تیار ہوئے جو بعد میں ہمارے نزدیک مقدس سرمایہ بن گئے، ظاہر ہے اِس وقت وہ دفتر بے معنی ہمارے کام کا نہیں بلکہ روح محمد ﷺ کو صدا دینی چاہئے شاید اِس سے اُمت کی چارہ سازی ہو سکے۔

ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے فلاں صاحب کی کیا رائے ہے؟ بس اِسی اُدھیڑ بن میں ہماری عمر گزر گئی اور ''یاران تیز گام'' نے ''محمل'' کو جالیا۔

جب کہا جاتا ہے کہ اسلام میں حد ملکیت کا کوئی تصور نہیں اور اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کی بے تحاشا جائیداد چھین لے تو نجانے یہ کس اصول، کس منطق اور دلیل سے فتویٰ جاری فرما دیا جاتا ہے، غریب بھوکا مر جائے لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ امراء کی جائیداد اپنے ہاتھ میں لے سکے، لے دے کے صدقہ خیرات رہ جاتا ہے، میرے خیال میں ان مُلّا حضرات یا علماء کرام کی اپنی جو عادت صدقہ خیرات پر پلنے کی ہے تو یہ ساری دنیا کو اِسی مد سے پالنا چاہتے ہوں، کتنا خوفناک ہوگا انجام اِس سوسائٹی کا جہاں لاکھوں انسانوں میں دو چار کو دنیا کی تمام سہولتیں حاصل اور پشت در پشت اِن مراعات کے مستحق چلے آرہے ہوں اور باقی لاکھوں انسان ان کے ہاتھ اور کمائی کی میل کھانے پر اکتفا کرتے ہوں۔

ہمارے مذہبی رہنماؤں کا شروع سے وطیرہ یہ رہا ہے کہ اِن کے نزدیک ہاتھ کاٹنے کی حد تک منطقی نتیجہ معاشرے میں چوری کا ہونا ضروری ہے ان کے خیال میں چوری نہ ہوئی تو قطع ید کی سزا پر کیسے عمل ہوگا؟ سنگسار کرنے کی سزا کا مطلب معاشرے میں زنا کا ہونا لازمی ہے ورنہ حد بیچاری تو معطل ہو کر رہ جائے گی، اِس طرح زکوٰۃ صدقات کے احکام کا مطلب معاشرے میں انسانوں کی بھوک ننگ ضروری ہے ورنہ یہ احکام کہاں جائیں گے؟ حالانکہ اِن سزاؤں اور احکام کا مقصد اور روح یہی ہے کہ معاشرے میں چوری نہ ہو، زنا نہ ہو اور بھوک ننگ نہ ہو، اِسے کہتے

ہیں کتابی طرزِ عمل! رہا انقلابی فکر و عمل، جب ہم کتابی بحثوں سے آگے جا ہی نہیں سکتے تو انقلابی کیسے بنیں گے؟

قرآن مجید کا ایک بنیادی اصول ہے کہ **لیس للانسان الا ما سعی** (انسانوں کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ محنت کرتا ہے) لیکن اب محنت کش بھوکے مرتے ہیں اور مفت خورے عیش میں رہتے ہیں اور اِن کے گھر پیدا ہونے والا بچہ پیدائش کے ساتھ ہزاروں ایکٹر زمین کا مالک بن جاتا ہے۔

ہمارے ہاں یتیم کا مطلب ہوتا ہے کہ جس کے والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں نہ ہوں وہ بے چارہ ترس، رحم، مدد اور محبت کے قابل سمجھا جاتا ہے، لیکن داؤد، سہگل وغیرہ کی اولاد آج تک نہ یتیم کہلائی ہے اور نہ مدد کی مستحق، جبکہ بعض ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں سے زیادہ مظلوم اور رحم کے مستحق ہوتے ہیں، تو کیا ہم کتابیں اور لغات دیکھ دیکھ کر معاشرے کو بدلیں گے یا کھلی آنکھوں سے مسائل کو دیکھنے کی بھی عادت ڈالیں گے؟

یہ کہنا کہ جائز ذرائع سے کوئی کروڑوں کی جائیداد بنا لے تو کیا مضائقہ ہے؟ ویسے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ ثابت تو کیا جائے کہ کروڑوں کی جائیداد جائز ذرائع سے بنتی کیسے ہے؟ اور پھر بھوک ننگ کے مارے ہوئے اور درد الم کے ستائے ہوئے لوگوں کی موجودگی میں جمع کیسے رہ جاتی ہے؟ دو ہی باتیں ہیں یا تو کروڑوں کی جائیداد نا جائز ذرائع سے حاصل ہوتی ہے اور یا پھر سنگدل ہونا لازم ہے ورنہ بھوکے بھی ہوں اور کروڑوں کی جائیداد بچ بھی رہے یہ آگ اور پانی کو جمع کرنے والی فلاسفی اور منطق ہے۔

ہمارا معاشرہ ذہنی اور عملی طور پر دوہرے معیار کا حامل ہے وہ تعریف فقر کی کرے گا لیکن حمایت امارت کی، اس کے نزدیک ولی اللہ متقی، پرہیزگار اور بزرگ وہ ہے جو تہی دست ہو لیکن خود ایک پائی کی کسر نہیں کھائے گا، بزرگوں کی حمایت میں مناظرے کرے گا فتوے لگائے گا لیکن اِن جیسے اطوار خود کبھی اختیار نہیں کرے گا، یہی ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی کمزوری بلکہ بیماری ہے، جب ہم کہتے ہیں کہ اسلام نے جائیداد از قسم سرمایہ اور جاگیر پر کوئی پابندی نہیں لگائی تو

عملی طور پر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ انسانوں سے آباد اس کائنات میں کتنے لوگ ہیں جو سرمایہ دار اور جاگیر دار ہیں بمشکل تمام بیس لاکھ افراد اِس صف میں شامل ہوں گے جبکہ کل آبادی اربوں میں بنتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب بالخصوص اسلام ان چند جاگیر اور سرمایہ کے مالکوں کی فلاح اور تحفظ کی بات کرتا ہے یا کروڑوں بھوکوں، ننگوں، مفلسوں، بیماروں محتاجوں، مسکینوں، بے روزگاروں اور معذوروں کی فلاح کا بھی کوئی پروگرام پیش کرتا ہے؟ ہماری تعبیر اور تفسیر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب عالم شاید متشکل ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ وہ آرام میں رہنے والوں کو تحفظ دیں اور بے قرار انسانوں کی کھیپ یوں ہی نان شبینہ کو ترستی اور تن ڈھانپنے کی کشمکش میں مستقل طور پر اُلجھی رہے، آخر یہ زاویہ فکر کس اعتبار سے مخلوق خداوندی کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا ہوسکتا ہے؟ کچھ احکام اسلام میں ایسے ملتے ہیں یا مثالیں نظر آتی ہیں تو یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اب ایسا قیامت تک ہونا چاہئے۔ حضور ﷺ پر دین مکمل ہونے کا مطلب قطعاً نہیں کہ دور ملوکیت کے سارے پشتارے دین اسلام کا حصہ سمجھ لئے جائیں۔ بیسیوں مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے فکر و عمل سے یہ نشاندہی فرمادی کہ بالآخر یوں ہونا چاہئے لیکن آپ کے دور میں حالات اور مقامی مجبوریوں کے باعث ایسا نہ ہوسکا آپ کی زندگی میں غلامی کا ادارہ قطعی طور پر ختم نہ ہوا اب اِسے قیامت تک غلامی کے جواز کے لئے پیش کرنا پرلے درجے کی بد مذاقی اور کوڑھ مغزی ہے، لیکن انسانیت بالآخر اِس نقطے پر پہنچ گئی جہاں حضورؐ اِسے لے جانا چاہتے تھے کہ غلامی اور انسانوں کی خرید و فروخت کا کاروبار بند ہوگیا اب اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو ظلم و جبر کی دیگر قسموں کے طور پر ہوتا ہوگا اِس کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز کسی ریاست اور سوسائٹی میں موجود نہیں، اِس دور میں کوئی ہونق قسم کا مذہبی آدمی احادیث اور فقہ لے کر بیٹھ جائے کہ غلامی اب بھی جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ کے دور میں بھی اور احادیث اور فقہ سے ثابت ہے تو ایسے آدمی کے دشمن علم و خرد اور جہنمی ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟ ایسا ہی مسئلہ سرمائے اور زمین کا ہے، اِسے کتابی طور پر دیکھا جائے تو شائد قیامت تک یہ مسئلہ اِسی طرح رہے گا یعنی ظالم ظلم کرتے رہیں اور مظلوم ظلم سہتے رہیں، جاگیر دار مزارع کے جسم، محنت اور عزت کا اِستحصال کرتا

رہے، سرمایہ دار مزدور کو فاقوں کی نوبت تک پہنچاتا رہے، کچھ لوگ دنیا ہی میں جنت کا لطف لے لیں اور کچھ لوگوں کو اِسی دنیا میں جہنم کا ذائقہ نصیب ہو یہ سب کچھ ایسے ہی ہوتا رہے گا لیکن اگر مسئلہ حل کرنے کی خواہش اور ضرورت ہے تو دنیا میں کونسا مسئلہ لاینحل ہے۔ مطلوب صرف یہ ہے کہ ذہن صاف ہو، دل پاک ہو، ضمیر زندہ ہو اور سینے میں کسی مظلوم کا درد ہو۔

آخر دارا و سکندر اور مزدور اور محنت کش کو دنیا میں ضرورت کس چیز کی ہے یہی کہ انہیں دو وقت کی عزت کی روٹی، کپڑا، مکان، صحت، تعلیم، ٹرانسپورٹ سب کچھ مل جائے اِس سے زیادہ کی طلب اور خواہش دو امور پر مبنی ہے یا تو عیش کوشی کیلئے یا اِستحصال کیلئے کم از کم آخرت پر ایمان رکھنے والی اُمت کو شرم آنی چاہئے کہ وہ ان ضروریات کے پورے ہونے کے بعد بھی کسی ہوس اور حرص میں مبتلا ہو، کوئی بھی شخص نہ تو سونے کی روٹی کھاتا ہے اور نہ چاندی کا پانی پیتا ہے۔ تو پھر اِس ہوسنا کی میں تقدس کیسے پیدا ہو گیا؟ ایک مسلمان عیش کوش بھی نہیں اور اِستحصال کرنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو جائیداد بنانے اور سرمایہ سمیٹنے کا آخر مدعا کیا ہے؟ کروڑوں روپے گننے کا شوق؟ دوسروں پر رُعب جمانے کی خواہش؟ اِستحصال کا پروگرام؟ عیش اور لذت کا حصول؟ دنیا بھر کو بھوکا اور ننگا اور اپنے آپ اور خاندان کو خوشحال دیکھنے کی آرزو؟ بتایا جائے کہ اِن میں سے کیا مقصود ہے، جس شریعت کے فتوے کے مطابق پیشاب کا ایک چھینٹا پلید ہے، ٹخنے سے شلوار اُوپر رکھنا مستحب ہے، عمرہ کرنا ثواب ہے، داڑھی بڑھانا واجب ہے، اِسی شریعت کی نظر میں رزق حلال ہونے کے باوجود حرام ہے جس سے اپنا پیٹ تو بھر جائے اور دوسرے بھوکے رہیں، آخر اِن تعلیمات کو محض اخلاقی وعظ کا درجہ کیوں دے دیا جاتا ہے اور مسواک اور وضو کے مسائل کو قانون اور واجب کا مرتبہ کیسے مل جاتا ہے؟ یہ شتر گربگی کس قاعدے ضابطے سے جائز اور روا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کا ذاتی مفاد اور اِس کی شخصی دلچسپی نہ ہو تو کام کیوں کرے گا؟ اگر شخصی مفاد ہی کام کا محرک ہے تو آخرت کے وعظ، ایثار کی تلقین، احساس ذمہ داری، ادائیگی فرض یا سب کچھ افسانہ لگتا ہے، حب الوطنی کے دعوے، ملک وملت کے مفاد کی باتیں تو پھر یہ سراسر گپ شپ ہی ہے، اگر کوئی شخص بغیر ذاتی منافع کے کام کرنے کا روادار نہیں تو ایسے شخص کو انسانوں کی

بستی سے ویسے ہی نکل جانا چاہئے اِسے درندوں کے بھٹ میں رہنا چاہئے، ایسا سنگدل، مفاد پرست اور ذات پسند انسان سوسائٹی کے کس کام کا؟

کام کرنا پڑے گا ہر شخص کو اپنے لئے بھی دوسروں کیلئے بھی اور ملک وملت کیلئے بھی تا کہ سب پھلیں پھولیں اور خوشحال رہیں، اگر بات آ کر رُک جاتی ہے حوالوں پر تو حوالے بھی پیش کئے جا سکتے ہیں مگر جہاں حیلے بہت ہوں وہاں حوالے بیچارے کیا کریں گے۔

حضور ﷺ کا اپنا اسوہ حسنہ تو سب کو معلوم بھی ہے اور اِس کا تذکرہ بھی ہم کر آئے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فکر راست اور تدبر اور ساتھ ہی ساتھ اتباع سنت کی صفت سے کون واقف نہیں انہوں نے متعدد ایسے فیصلے کئے ہیں جو تاریخی اور انقلابی ہیں۔اُنہوں نے بہت سی زمینوں کو ضابطے کے مطابق لوگوں میں بانٹنے کے بجائے اجتماعی ملکیت میں لے لیا۔

ایک بار پھر عملی اعتبار سے دیکھنے کی درخواست کی جائے گی کہ امراء اور غرباء میں کس ہولناک درجے کا امتیاز ہے، اِن کے معیار زندگی میں کتنا حشر انگیز فرق ہے اور مجبوروں اور مقہوروں کو کتنے زخم لگے ہوئے اور ہم ابھی تک کتابی حوالوں میں اُلجھے ہوئے حقیقی اور واقعی مسائل کو مزید اُلجھا رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں کچھ وہ لوگ ہیں جو آبادی کے تناسب سے آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں جن کا صرف باورچی خانے کا خرچ ہزاروں لاکھوں کا ہے اور لاکھوں کروڑوں افراد وہ ہیں جنہیں زندگی بھر عزت وآبرو کے ساتھ دووقت کی روٹی کے حصول کیلئے جاں گسل اور ایمان شکن جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اِسی طرح کچھ لوگ معمولی سے نزلے، زکام کی تکلیف کا ازالہ بھی غیر ملکوں میں جا کر کراتے ہیں اور لاکھوں کروڑوں وہ ہیں جو ٹی بی کی آخری سٹیج میں داخل ہونے کے باوجود علاج معالجے سے محروم رہ جاتے ہیں اگر علاج کراتے ہیں تو بال بچے گروی رکھنے پڑتے ہیں اگر گھر کی روٹی چلائیں تو پھر ٹی بی کو گلے لگانا پڑتا ہے جو انہیں موت کی وادی میں دھکیل دیتی ہے اِن لوگوں کو ہمارے مفتیوں کی باتیں سمجھ آئیں تو کس طرح؟ شرعی مسئلہ ہے کہ حقوق العباد متعلقہ افراد کی معافی کے بغیر کبھی بھی ساقط اور معاف نہیں ہوتے لیکن یہاں حق کسی کا مارا جاتا ہے اور فتویٰ دینے کا کوئی اور مجاز ہے حالانکہ جسکا حق ہے وہی

فتویٰ اور فیصلہ دے کر تمہاری نظر میں حد ملکیت جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایسا ہو تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے اور ملکیت کا عقدہ حل ہو جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں کوئی آدمی فٹ پاتھ پر نہیں سوتا (کوئی عادی نشہ باز اور پیشہ ور گداگر ہو تو الگ بات ہے) اِس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ہاں مکانوں کی کمی نہیں ہر شخص کسی نہ کسی مکان میں رہتا ہے لیکن جائزہ لیا جائے تو پچاس فیصد لوگ کرایہ دار ملیں گے اور یہ اِس لئے کہ کچھ لوگوں کا ذریعہ روزگار بلکہ آلہ استحصال مکانات ہیں چند افراد کو یہ سہولت حاصل ہو کہ ملک کے ہر بڑے شہر میں انکے عالیشان محلات ہوں، عمدہ درجے کے ہوٹل ان کیلئے کھلے ہوں اور اور دوسری طرف لاکھوں لوگ زندگی بھر کرائے کے عذاب میں گرفتار رہیں یہ کہاں کا انصاف، مروت، اخوت، عدل، رواداری، ایثار اور قانون ہے جس کے تحفظ کیلئے پوری شریعت داؤ پر لگا دی جاتی ہے۔ اِسکا معنی تو یہ ہے کہ اسلام (معاذ اللہ) انسانوں کے تحفظ کا نہیں بلکہ دولت اور زمین کے تحفظ کا علمبردار ہے، کوئی بھوکا مرے، کوئی دوبدر پھرے، کوئی خودکشی کرے، کوئی چوری ڈاکے پر اُتر آئے اور ردعمل کے نتیجے میں نفسیاتی مریض بن جائے اسلام کو اِس کی پروا نہیں ایسے مفتیوں کے نزدیک صرف چند جاگیرداروں کی جاگیر اور کچھ سرمایہ داروں کا سرمایہ محفوظ رہے اور اِس کی حفاظت مقدس اور اہم ہے، ایسی سوچ کم از کم راقم الحروف کے نزدیک روح اسلام اور روح محمدؐ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

ہمارے خیال میں حد ملکیت کا مسئلہ عقلی اور علمی نہیں بلکہ عملی اور واقعاتی ہے جسے اِس تناظر میں حل کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ آئے دن پیچیدگیاں پیدا ہوتی رہیں گی اور شاہ ولی اللہؒ کے بقول **فک کل** نظام کا نعرہ بلند ہو گا یعنی سب کچھ اُلٹ دیا جائے گا، نہ فقہیں رہیں گی، نہ علم کلام نہ اخلاق اور مذہب اور نہ ہی اقدار و روایات، ہم آخر کیوں نہ یہ سب کچھ بچانے کی فکر کریں اور چند لوگوں کی جائیداد کی صفت وکالت سے دستبردار ہو جائیں۔ دنیا میں لذتیں وہ اُٹھاتے ہیں اور جنازہ ہمارا خراب ہوتا ہے، اسلام کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ فلاح انسانیت کا ہے، مخصوص ضابطوں کے اِستحکام کا نہیں اسلام کے عبادات، معاملات اور اخلاق کے جملہ ضابطے بھی انسانی

سوسائٹی کی ترقی، فلاح اور خوشحالی کیلئے ہیں نہ کہ اِسے جامد، متحجر اور بے فیض بنانے کیلئے! اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی روح یہ کہتی ہے کہ۔

ا۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔

۲۔ زمین و آسمان کی ساری گردش خلیفۃ اللہ فی الارض (انسان) کی زندگی کو آسودہ اور کار آمد بنانے کیلئے ہے۔

۳۔ انسان کی پیدائش اور موت کے طریق کار میں قدرت نے کوئی فرق اور امتیاز نہیں رکھا۔

۴۔ زمین کی جملہ اشیاء انسانیت کی تعمیر و ترقی اور انسانوں کی بھلائی کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔

۵۔ دین اسلام کو فرد یا مخصوص افراد کے مفادات کے تحفظ کیلئے نہیں بلکہ انسانیت کی اجتماعی بھلائی کیلئے متشکل کیا گیا ہے۔

۶۔ حقوق العباد، حقوق اللہ سے بھی زیادہ اہم اور لائق احترام ہیں۔

۷۔ کوئی بھی انسان دشمن کاروائی از قسم غلامی، استحصال، ظلم، جبر، دراصل حرمت انسانیت کی نفی ہے اِس لئے یہ جرم بھی ہے اور گناہ بھی۔

۸۔ مسلمان کی اصل متاع آخرت ہے دنیا نہیں۔

۹۔ مثالی سوسائٹی وہ ہے جہاں ہر ایک کا مفاد اور نقصان مشترکہ ہو۔

۱۰۔ انسانیت کا کامل اور بہترین نمونہ اسوہ رسول ﷺ ہے۔

۱۱۔ مترفین (ارباب زرو جاگیر) اور مسرفین (اِستحصال اور تعیش کے عادی) ہر دور میں خدا، انبیاء اور اسلام کے دشمن رہے ہیں۔

۱۲۔ فرعونی سیاست (استبداد) اور قارونی معیشت (لامحدود ملکیت) خدا کی ناپسندیدہ چیزیں ہیں۔

۱۳۔ محنت کے بغیر کوئی شخص کسی صلے کا مستحق نہیں۔

۱۴۔ جسمانی طور پر اپاہج اور ذہنی طور پر معذور لوگ خدا کے مہمان ہیں ان کی پرورش معاشرے کا فریضہ ہے۔

۱۵۔ دولت سے محبت خدا اور رسولؐ کی محبت سے عملاً قطع تعلقی ہے۔

یہ ہیں وہ موٹے موٹے اصول اور اشارات جن کی روشنی میں طے کیا جا سکتا ہے کہ سوسائٹی کن معاشی بنیادوں پر استوار ہو؟ اِستحصال یا انصاف کی بنیادوں پر؟

اور اِس سے بھی بڑھ کر یہ غور طلب امر ہے کہ خدا کی ربوبیت جب عام ہے اور بلاشرکت غیرے تمام چیزوں کا مالک ہونے کے باوجود اِس نے رزق کے سرچشموں کو سب کیلئے کھول دیا ہے تو بندے اِن پر پہرے بٹھانے کے کیسے حقدار بن گئے ہیں؟ یہ خدا کی اطاعت ہے یا اِس سے بغاوت؟

اِس بحث کو سمیٹتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہر وہ نظریہ مسترد کر دینے کے قابل ہے جس کا مقصد معدودے چند لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا اور عوام الناس کے حقوق اور احسانات کو پامال کر دینا ہو ایسا نظریہ کسی بھی دنیا کے نظام کا حصہ بن سکتا ہے۔ اسلام ایسے عادلانہ، مربیانہ، منصفانہ، مشفقانہ اور انقلاب پرور دین سے اِس کی نسبت بہت بڑی جسارت بلکہ گستاخی ہے، اسلام میں ملوکیت کا کوئی تصور نہیں جتنا کچھ ہے وہ امانت ہے اور امانت کے حوالے سے مسئولیت واجب ہے اور اِسی سے معاشرے میں توازن اور اعتدال کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔ (مرسلہ! ایم محمد طالب)

گکھڑ کے بھائی ڈاکٹر عرفان مغل کی والدہ صاحبہ، گوجرانوالہ کے بھائی ظہور خاں صاحب، ملتان کے بھائی ملک محمد اشرف کارلوں رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں تمام بھائیوں سے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے

قرآن حکیم کی معجزانہ ترتیب

انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

معجزانہ ترتیب کی دریافت

قرآن حکیم میں سورتوں کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے کہ بعض اوقات ایک سوچنے والا مخلص مسلمان بھی حیران ہو جاتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ کلام اللہ کی بعض سورتیں بہت لمبی ہیں۔ جیسے سورۃ البقرہ جو ڈھائی سپاروں پر محیط ہے اور بعض اس قدر چھوٹی مثلاً سورۃ الکوثر جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے۔ آخر سورتوں کے حجم میں واضح اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

دوسرا سوال پاروں اور سورتوں کی ترتیب کے متعلق اٹھتا ہے۔ اس میں کیا خاص حکمت ہے کہ پہلی سورۃ فاتحہ سات آیات کی ایک چھوٹی سورۃ ہے لیکن اس کے بعد یکے بعد دیگرے لمبی لمبی سورتیں رکھی گئی ہیں۔ درمیانی سپاروں میں سورتیں بھی درمیانی لمبائی کی ہیں اور آخر قرآن میں چھوٹی چھوٹی سورتیں سجائی گئی ہیں لیکن اس میں بھی کئی جگہ استثناء فرمایا گیا ہے۔ اور پارے تیس ہیں، کم یا زیادہ کیوں نہیں؟

اس کی وجہ صرف تجسس اور ایک محقق کی نظر ہے ورنہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم کی جو ترتیب بھی ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہے۔

اِس اُلجھن کا ایک عام سا جواب تو یہ دیا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں سورتوں کی ترتیب قاری کی سہولت کی خاطر رکھی گئی ہے۔ نماز کی قرات میں اکثر پڑھی جانے والی سورتیں آخری پاروں میں رکھ دی گئیں اور قانون، سماجی انصاف، اعتقادات اور دیگر انسانی مسائل پر مشتمل سورتوں کو پہلے سپاروں میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ سوسائٹی کی پہلی ضرورت ہیں لیکن یہ دلیل کوئی زیادہ وزنی معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ نماز میں پڑھنے کیلئے کوئی خاص سورۃ مخصوص نہیں اور قرآن پاک کی حکمت ساری کتاب میں برابر ملتی ہے سوسائٹی کیلئے بھی احکامات جگہ جگہ آتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ مدنی سورتیں اکثر لمبی تھیں اور مکی چھوٹی اور ترتیب میں مدنی سورتوں کو فوقیت دی گئی لیکن اس بات میں بھی کوئی وزن نہیں۔ قرآن حکیم کی ترتیب مکی یا مدنی سورتوں کے

لحاظ سے نہیں ہے۔ کی سورتوں میں بھی سورۃ اعراف اور سورۃ انعام خاصی لمبی ہیں جو ترتیب کے لحاظ سے ابتداء میں رکھی گئی ہیں اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کی ترتیب نزولی نہیں بلکہ بسا اوقات ایک ہی سورۃ میں مکی اور مدنی آیات شامل ہیں اور سورتوں کی ترتیب کا بھی نزول کے ساتھ کوئی ربط نہیں۔

غرض اوپر دی گئی تمام تر توضیحات غیر یقینی معلوم ہوتی ہیں اور ماسوائے اس کے کہ یہ ترتیب قرآن اللہ تعالیٰ کا اپنا ہی راز ہے کچھ اور نہیں کہا جا سکتا لیکن چند بے ادب قسم کے دانشور جب اپنی عقل سے کوئی اطمینان بخش جواب نہ پا سکے تو یہ رائے گھڑ دی کہ (نعوذ باللہ) قرآن پاک کے جمع کرنے میں کسی خاص ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا گیا تھا بلکہ جہاں اور جیسے جمع کرنے والوں کو آسان نظر آیا، انہوں نے ویسے ہی انہیں لکھ دیا یعنی موجودہ ترتیب بلا حکمت ہے۔

جہلا اور منافقین کا یہ گروہ اپنی اس بے تکی رائے کے وقت یہ بھول جاتا ہے یا دل سے مانتا ہی نہیں کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کی حفاظت خود خالق کائنات نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق ایسی لغو بات ہرگز زیب نہیں دیتی۔

مصنف کو کلام اللہ کے دشمنوں کی پھیلائے جانے والی اس سازش سے نہ صرف قلق تھا بلکہ میں فکر مند بھی تھا کہ قرآن پاک کی ترتیب میں جو حکمت پنہاں ہے وہ کھل کر سامنے آ جانی چاہیے تا کہ مسلم نوجوان منافقین کے پراپیگنڈہ کے خلاف اپنے ایمان کا دفاع کر سکیں۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل تھا کہ میری دُعا سنی گئی اور قرآن حکیم کی ترتیب کے کچھ معجزانہ پہلو مجھ پر آشکار کر دیئے گئے۔ چنانچہ ۱۹۹۴ء کی ایک رات جب میں نماز عشاء ادا کر رہا تھا تو وتروں کی آخری رکعت میں اس نے سورۃ الکوثر پڑھی اور ساتھ ہی خیال آیا۔ یا اللہ اپنی حکمت تو ہی جانتا ہے لیکن میں حیران ہوں کہ تین آیات کی یہ سب سے چھوٹی سورۃ بھی آخری نہیں۔ اس فکر کے نتیجہ میں دورانِ نماز ہی خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ ایک عمیق حسابی مسئلہ ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کے سپاروں اور سورتوں کے درمیان ایک گراف لگاؤ اور پھر دیکھو تو بات سمجھ آ جائے گی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور جب رات اڑھائی بجے نقاط کے درمیان گراف کھینچا گیا تو جو کچھ سامنے نظر آیا عقل حیران

تھی۔اس قدر خوبصورت گراف جیسے لڑی میں ہیرے پروئے ہوں۔گراف کیا ہے حساب کا ایک لاجواب کلیہ ہے جو قارئین کیلئے اگلے صفحات پر پیش کیا جاتا ہے۔

معجزانہ ترتیب کا تجزیہ اور عظیم حکمتیں

اِس معجزانہ ترتیب کو سمجھنے کیلئے پہلے آپ جدول نمبر 1 پر غور فرمائیں۔ یہ جدول اللہ کی کتاب کے تیس سپاروں اور ایک سو چودہ سورتوں کے درمیان ہے۔ فہرست ب۔ سپاروں کو ظاہر کرتی ہے اور ج۔ ہر سپارے کے سامنے شروع سے اس سپارے کے آخیر پر سورتوں کی تعداد ہے مثلاً پہلے پارہ میں دو سورتیں ہیں اور دوسرے پارے کے آخیر تک بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں۔ البتہ تیسرے پارے میں سورۃ آل عمران کا آغاز ہوا۔ یوں تیسرے پارے کے آخیر تک قرآن حکیم کی سورتوں کی تعداد تین ہوگئی۔ یہ سورۃ چوتھے پارہ میں ختم ہو جاتی ہے اس لئے اب تک تین سورتیں ہی ہیں۔ سورۃ النساء چوتھے سپارے سے شروع ہوتی ہے اور پانچویں سپارے کو بھی کراس کر جاتی ہے اور چھٹے سپارے میں ختم ہوتی ہے اور یہاں سے ایک اور نئی سورۃ شروع ہوئی اور یوں اس سپارے کے آخر تک قرآن حکیم کی صرف پانچ سورتوں کا آغاز ہوا۔ یوں یہ سلسلہ چلتا جاتا ہے اور بارھویں پارے کے آخر تک بارہ سورتوں کا آغاز ہو چکا ہے لیکن اس کے بعد کی سورتیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے جلدی جلدی شروع ہو جاتی ہیں۔ بیسویں پارے تک انتیس ۲۹ سورتیں آ چکی ہیں، اکیسویں پارے کے اخیر تک تینتیس (۳۳) ہوگئیں اور بائیسویں کے اخیر تک چھتیس (۳۶)، پچیسویں تک پینتالیس (۴۵) اور اٹھائیسویں تک چھیاسٹھ (۶۶) اور تیسویں (۳۰) کے اخیر تک پوری ایک سو چودہ سوتیں مکمل ہوئیں۔

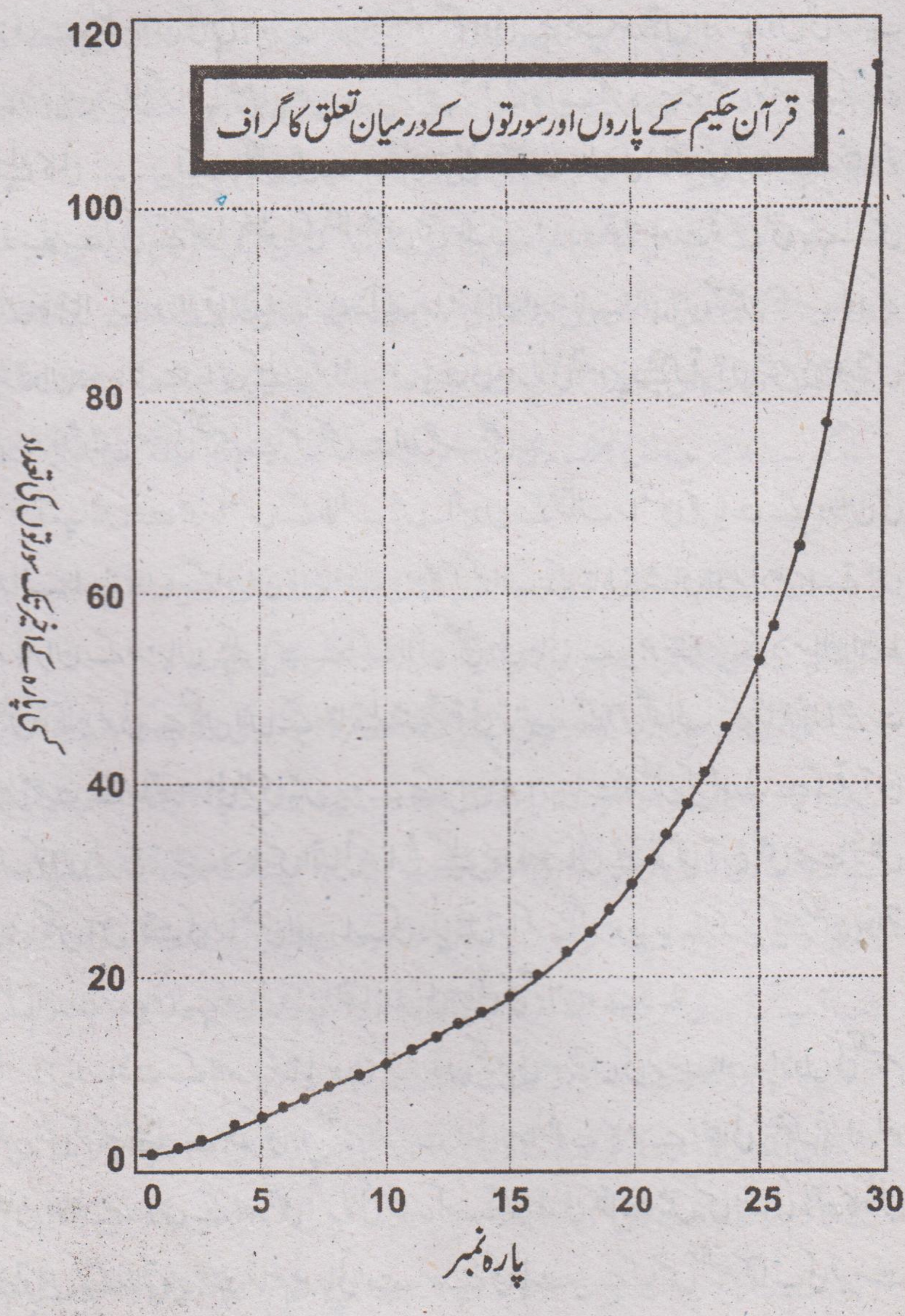
جدول نمبر 1 اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

جدول نمبر۱

قرآن کریم میں سورتوں اور پاروں کی ترتیب

پارہ نمبر	آخر پارہ تک سورتوں کا نمبر شمار	پارہ نمبر	آخر پارہ تک سورتوں کا نمبر شمار
ب	ج	ب	ج
1	2	16	20
2	2	17	22
3	3	18	25
4	4	19	27
5	4	20	29
6	5	21	33
7	6	22	36
8	7	23	39
9	8	24	41
10	9	25	45
11	11	26	51
12	12	27	57
13	14	28	66
14	16	29	77
15	18	30	114

گراف نمبر۱



قرآن حکیم کے پاروں اور سورتوں کے درمیان تعلق کا گراف
کسی پارہ کے آخر تک سورتوں کی تعداد
پارہ نمبر
0
20
40
60
80
100
120
0
5
10
15
20
25
30

معجزانہ گراف

شاید ابھی تک آپ نے اس حساب میں کوئی خاص بات محسوس نہ کی ہوگی. ماسوائے یہ کہ شروع میں سپارے زیادہ ہیں اور سورتیں کم اور بعد میں سورتوں کی آمد میں بہت تیزی ہے۔ لیکن اس کی صحیح صورت اس وقت واضح ہوتی ہے جب سورتوں اور سپاروں کی ترتیب کے درمیان حسابی گراف کھینچا جاتا ہے۔ یہ گراف ترتیب کا ایک معجزہ ہے جو عقل کو مبہوت کرنے کیلئے کافی ہے۔ یہ ایک بالکل عجیب اور غیر متوقع صورت حال کی نمائندگی کرتا ہے۔ نقاط کو جوڑنے سے کوئی بے جھول خطوط کی شکل نہیں بنتی بلکہ ایک نہایت خوبصورت قوس بنتی ہے۔ ایسی قوس کا بننا ایک دوراز قیاس بات ہے۔ ایک سائنسدان اور حساب دان اس حسین تناسب کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اس کیلئے یہ گراف اس بات کی منہ بولتی تصویر ہے کہ قرآن حکیم کی سورتوں اور سپاروں میں اس کی تقسیم بے مثل بھی ہے اور عجیب بھی۔

آپ میں سے جو سائنس کے طالب ہیں۔ انہوں نے مختلف سائنسی تجربات کے دوران کئی گراف بنائے ہوں گے اور ان کا اپنا مشاہدہ ہوگا کہ گراف کے نقاط ہمیشہ ہی اِدھر اُدھر ہوتے ہیں اور پھر ان کے درمیان ہلکے ہاتھ سے ایک لائن کھینچ دی جاتی ہے۔ جو مقادیر کے درمیان اوسط تعلق کو ظاہر کرتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں قرآنی ترتیب کے اس گراف کے تمام نقاط حیرت انگیز صحت کے ساتھ حسابی لڑی میں پروئے گئے ہیں جو اِس بات کا کھل کر ثبوت ہے کہ قرآن پاک کو اس طرح ترتیب دینا کسی انسانی دماغ کیلئے چودہ سو سال پہلے تو کیا آج بھی بہت مشکل ہوتا۔ لیکن اِس وقت کی سائنس اور حساب کی دنیا میں جا کر یہ اگر سوچا جائے کہ یہ کیسے ممکن ہوا تو عقل مبہوت رہ جاتی ہے اور دل بے اختیار اس کی سچائی کی گواہی دے گا۔

اس دریافت کے بعد یہ کہنا یا سوچنا کہ قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب اور سپاروں کی تقسیم حضور نبی کریم ﷺ کے بعد کسی اور عظیم المرتبت صحابی یا دانشور کا کام ہے اِنتہائی مضحکہ خیز اور لغو معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شک کرے کہ اللہ کی کتاب میں کسی انسانی ہاتھ کا دخل ہے تو اس کے نفاق پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس عظیم کتاب کی فہرست

مضامین اس قدر حکمت والی ہو اس کے مضامین، آیات اور رکوعات میں جو احتیاط اور شان ہوگی اس کے کیا کہنے۔

ترتیب اور روحانی ترقی

اب ہم اس گراف کے حوالہ سے کلام اللہ کی اس معجزانہ ترتیب کے روحانی پہلوؤں کے سلسلہ میں سوچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بے شک انسان کے بس کی بات نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمتوں کی تہہ تک پہنچ سکے۔ (لیکن جتنا اللہ تعالیٰ چاہے)

قرآن حکیم کی اس سائنسی اور حسابی ترتیب میں کئی حکمتیں چھپی نظر آتی ہیں جن میں حساب دانوں، سائنسدانوں، دانشوروں اور علماء کی سوچ بچار کیلئے میدان کھلا ہے۔ اللہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے ان عظیم رازوں پر سے ہم پردہ اُٹھا سکیں اور دنیا جو جہالت، منافقت اور شرک کے گھرے اندھیرے میں بھٹک رہی ہے، اس کی سیاہ راتوں کو ہم قرآن حکیم کی روشنی سے منور کر سکیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ گراف صاف ظاہر کرتا ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب وحی الٰہی کے عین مطابق ہے اور اس میں کسی انسانی ہاتھ کا دخل نہیں ہے۔

سورتوں اور سپاروں کے درمیان یہ معجزانہ گراف قرآن حکیم کی برکات کی روحانی تصویر بھی ہے۔ آغاز پر گراف کا خط صفر سے شروع نہیں ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ جب کوئی قاری قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتا ہے تو نیت کے ساتھ ہی اسے ایک روحانی بلندی حاصل ہو جاتی ہے۔ جس گھر میں قرآن کریم رکھا ہے وہاں یہ برکات خود بخود موجود ہیں۔ جب آپ قرآن کی طرف آتے ہیں تو یہ بنیادی فائدہ آپ کو فوری ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی قرآن کا نور ہر وقت اپنے ماحول کو منور کیے ہوتا ہے۔

اِن ابتدائی فوائد کے ساتھ جب قاری قرآن کریم میں غوطہ زن ہوتا ہے تو پھر تعلیم میں ترقی کے ساتھ ساتھ برکات میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ شروع شروع میں بلندیوں کا حصول نسبتاً آہستہ ہے۔ شاید یہ وقت بنیاد مضبوط کرنے کا ہے۔ اپنے مقام سے آگاہی کا وقت ہے۔ جس

میں آدمی اپنی زندگی کی سمت سیدھا کرنا سیکھتا ہے اور پھر صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے اور باطل جذبوں سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔

جیسے جیسے صحیح فکر اور عمل کے ساتھ انسان قرآن پاک کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اس کی روح اپنے رب کی طرف وفا کا پیکر بن کر سفر جاری رکھتی ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ، نت نئے مقامات عالیہ سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ابتدائی سورتیں کسی فرد کی ظاہری تطہیر پر مرکوز رہتی ہیں اور وہ بتاتی ہیں کہ انسان کیلئے زندگی کی گھما گھمی میں کیا کچھ کرنا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔ وہ اسلامی شریعت کی عام زندگی پر حاوی شقیں کھول کر بیان کرتی ہیں۔ وہ سوسائٹی کے عمرانی اور اخلاقی پہلوؤں پر بحث کرتی ہیں اور آدمی کو صحیح انسان بناتی ہیں۔ جب ایک قاری قرآن حکیم کی تلاوت کرتا جاتا ہے اور اپنی زندگی کا رُخ اس کے مطابق موڑتا جاتا ہے تو اس کی روحانی ترقیوں اور برکات میں بھی تیزی آتی جاتی ہے۔ مزید آگے بڑھتے ہوئے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی باطنی روشنی سے بھی بہرہ اندوز ہو۔ باہر والا رنگ پھر اس کے باطن پر اُتر جاتا ہے اور روح اس سے طاقت حاصل کرتی جاتی ہے۔ یوں قرآن کریم کے آخری حصوں تک پہنچتے پہنچتے قاری کی روح انتہائی بلندیوں کی طرف پرواز کرنے لگ جاتی ہے۔ بالاخر سورتوں اور سپاروں کے درمیان اس گراف کے آخری حصہ کی مانند وہ ملائے اعلیٰ کی طرف عمودی اُڑان لے لیتی ہے۔

قرآن کریم سے درج بالا فوائد اور برکات حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان کی روح قرات کا ساتھ دے۔ اس طریقہ تلاوت کی خاص بات قرآن حکیم کو ختم کرنا نہیں (جو ہمارا رواج ہے اور ہم فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے اتنے قرآن ختم کر لیے) بلکہ اس کو سمجھ کر دل میں اُتارنا ہے یعنی قاری محسوس کرنے لگے کہ قرآن پاک کی آیات اس پر نازل ہو رہی ہیں۔ اس کیفیت میں قرآن پاک قاری کی روح کی غذا بن جاتا ہے۔ شاید اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب یہ بات سمجھ آ جائے کہ آپ نے فرمایا میں نے سورۃ البقرہ کو پڑھنے کیلئے سات سال لئے۔ مطلب یہ ہے کہ ترتیل، فکر و تدبر اور عمل کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ کے کلام کی

تلاوت کی جائے تو قرآن حکیم کی معیت میں قاری کے روحانی سفر کی کوئی انتہا نہیں۔ جیسے جیسے قاری آگے بڑھتا جاتا ہے۔ روحانی بلندیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ بیسویں سپارے کے بعد اضافہ کی شرح بے مثال ہے۔

عددی طور پر گراف کی شکل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائے قرآن روح کی اُڑان نہیں بلکہ اسکی پرورش کا دور ہے۔ اگلے پانچ سپاروں میں بھی یہی ہے۔ ۱۰ سے ۱۵ سپاروں تک اضافہ ۸ گناہ ہے اور ۱۵ سے ۲۰ تک اضافہ کی شرح ۱۱ گناہ ہے لیکن اس کے بعد روحانی بلندیوں میں بہت تیزی آجاتی ہے یعنی ۲۰ سے ۲۵ سپاروں تک ترقی ۱۶ گنا ہے لیکن آخر میں جا کر قرآن کے طالب علم کی روحانی ترقی کی اُڑان تقریباً عمودی ہو جاتی ہے یعنی روحانی فاصلے جو مہینوں میں طے ہوتے تھے اب وہ منٹوں میں طے ہونے لگتے ہیں۔

قرآن حکیم کی تلاوت کی ایسی برکات کے متعلق حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

''وہ شخص جس کی زندگی میں قرآن حکیم کی تلاوت معمول رہا ہے۔ روز جزا اِس شخص سے کہا جائے گا، قرآن پاک پڑھتے جاؤ اور اوپر چڑھتے جاؤ۔ تم آہستہ آہستہ پڑھو کیونکہ تمہاری منزل و مقام ہوگا جہاں تمہاری تلاوت کا آخری لفظ ختم ہوگا۔ (حوالہ ابوداؤد۔ ترمذی)

حق کیلئے جدو جہد اور کامیابی کا فارمولا

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کی یہ حیرت انگیز ترتیب صاحب قرآن پاک ﷺ کی جدو جہد کی عملی تصویر ہے اور دنیا پر قرآن کریم کے اثرات کی پیش گوئی ہے۔ ابتدأ دعوت بہت ہی کٹھن کام تھا۔ ابتدائی مکی دور میں تو اسلام قبول کرنے والوں کی شرح بہت آہستہ تھی لیکن پھر آنے والا ہر دن پہلے کی نسبت زیادہ کامیاب تھا۔ ہجرت تک مکی مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ سو افراد سے بھی کم تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور پاک ﷺ کی جدو جہد کے ثمر میں برکت ڈالتا گیا، حتیٰ کہ فتح مکہ کے دن آپؐ کے ساتھ دس ہزار جانثار تھے اور اگلے دن تین سالوں

میں یہ تعداد بڑھ کر ایک لاکھ سے زیادہ ہوگئی۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے سورہ نصر میں ارشاد فرمایا ہے۔

''جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی اور فتح مکہ ملی تو تم نے دیکھا لوگوں کو فوج در فوج اسلام میں داخل ہوتے''۔ (سورۃ النصر آیت ۱۔۲)

یہ آیت مبارکہ حضور پاک ﷺ کی جدوجہد کے اس دور کے متعلق ہے جب کامیابی عمودی طور پر بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس وقت سے اب تک قرآن کریم کی برکات اور اثرات مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب انشاءاللہ ساری دنیا قرآن کے حق ہونے کو دل سے تسلیم کرلے گی۔

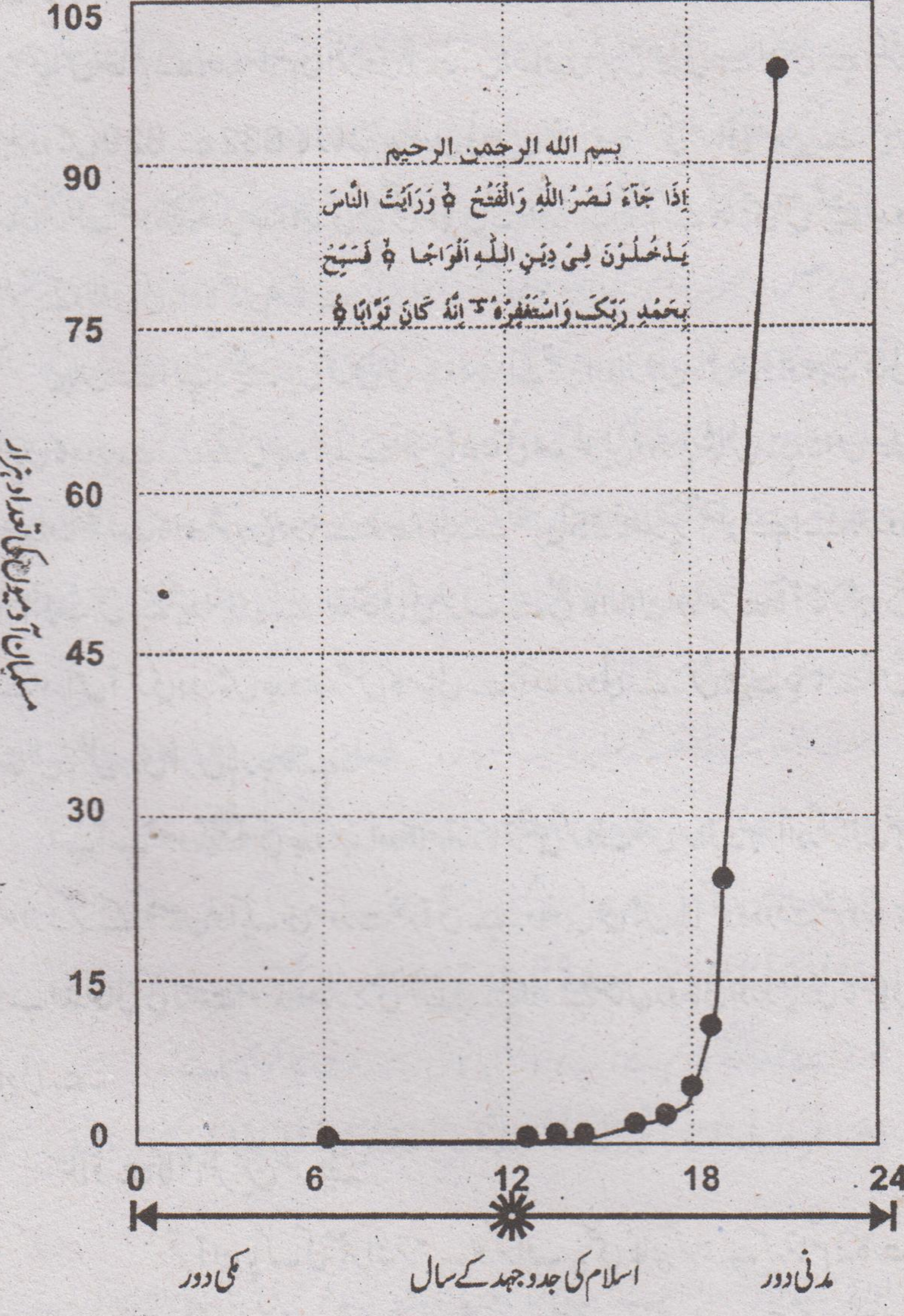
آیئے اب اس تناظر میں ذرا سورۃ النصر کی تفسیر سائنسی حسابی طریقہ سے کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد میں تعلق کی کیسی تصویر ظاہر ہوتی ہے۔

جدول نمبر-2

عیسوی سال بعثت نبوی	اہم واقعہ	مستعد مسلمان مردوں کی تعداد
610	بعثت طیبہ	1
622	ہجرت	150
623	بدر	313
624	احد	700
627	خندق	1000
628	حدیبیہ	1400
628	خیبر	1600
629	موتہ	3000
630	فتح مکہ	10000
630	حنین اور طائف	14000
631	تبوک	30000
632	حجۃ الوداع	124000

گراف نمبر۲

حیات طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں اسلام کی ترقی کا گراف



اس جدول کی حسابی شکل گراف نمبر۲ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ وقت کے ساتھ ساتھ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کی تصویر ہے۔اس عظیم جدوجہد میں صلح حدیبیہ وہ اہم موڑ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح مبین کہا گیا ہےاوراس فتح کے ساتھ ہی نصرت اللہ تعالیٰ شامل حال ہو جاتی ہے چنانچہ اس مقام کے بعد اسلام کی افرادی قوت میں اضافہ کی شرح تیزی سے بڑھتی ہے۔گراف نمبر دو میں 629 سے 632 کا زمانہ ''یدخلون فی دین اللہ افوجا'' کی حسابی تصویر ہے۔یوں یہ سارا گراف حضورﷺ کی جدوجہد کی صحیح صحیح عکاسی ہے اور آپﷺ کے بعد بھی حق کیلئے جدوجہد کرنے والوں کی راہ کا تعین کرتا ہے۔

یہاں سے آپ دیکھتے ہیں کہ حق کی جدوجہد کے تین ادوار ہیں۔مکی دور جو بہت تنہائی اور مایوسی کا دور ہے یہ دور ٹوٹل جدوجہد کے تقریباً ۵۵ فی صد طویل دور پر شامل ہے۔اس کے بعد امید اور خطرات کا دور شروع ہوتا ہے جو جدوجہد کے تقریباً 25 فیصد پر مشتمل ہے اسکے بعد وہ دور آتا ہےجب حق کے شیدائیوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح کا اعلان اور نصرت کا آغاز شروع ہوتا ہےاوراس آخری دور میں جدوجہد مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے۔حق جیت جاتا ہےاس کے مقابل باطل بری طرح ہار جاتا ہے۔

اب آپ حضورﷺ کی جدوجہد اور کلام اللہ کا ترتیبی گراف یعنی گراف نمبر ا اور گراف نمبر۲ کا موازنہ کر کے دیکھیں تو ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔دونوں ہی میں بالآخر وہ وقت ضرور آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار برستی نظر آتی ہے اور بے مثال روحانی اور دنیاوی کامیابی عطا ہوتی ہے۔

تلاوت کا بہترین طریقہ

قرآن پاک کی معجزانہ ترتیب کا گراف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ تمام برکات کے حصول کیلئے قرآن حکیم کی تلاوت شروع سے اخیر تک بالترتیب کرنی چاہیے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ

قرآن پاک ایک بڑی شاہراہ کی مانند ہے جو بلندیوں کی طرف جاتی ہے۔اس میں جس مقام سے چاہا سفر کرنے والا بڑے ثواب کا حقدار ہے (حضورﷺ کا فرمان ہے کہ اس کے ایک ایک حرف کے پڑھنے میں دس نیکیاں ہیں اور آپﷺ نے تشریح فرمائی کہ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' ایک حرف ''لام'' ایک حرف اور ''م'' ایک حرف ہے اور یوں الم کی تلاوت سے قاری کو تیس نیکیاں انعام میں ملتی ہیں)۔

البتہ قرآن پاک کا صحیح حق اس وقت ادا ہوتا ہے جب ہم کلام اللہ کو اس کی ترتیب کے مطابق مسلسل پڑھیں۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسا ہی کرتے تھے۔جب ہم ان کی مانند شروع سے آخر تک قرآن پاک کی تلاوت کو اپنی زندگی کا معمول بنائیں گے تو تلاوت کے ساتھ ساتھ ثواب کے علاوہ روحانی ارتقا بھی حاصل ہوتا جاتا ہے۔ہر اگلی آیت مبارکہ کا ثواب اس سے پہلی آیت مبارکہ سے زیادہ ہوگا اور اخیر میں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حساب نہیں اور یوں قاری نہایت تھوڑے عرصہ میں انتہائی زیادہ بلندیاں حاصل کرنے لگتا ہے۔لیکن یاد رہے کہ ان ترقیوں کیلئے خالص نیت اور عمل لازمی شرط ہیں۔

رحمت اللعالمینﷺ کے خطبہ کا ایک اقتباس ''**فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى، هدى محمد** ﷺ'' (متفق علیہ)

رحمۃ اللعالمینﷺ (تمام جہانوں کیلئے باعث رحمت)

وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ٥ (سورۃ الحج، آیت ۱۰۷)

اور (اے محمدﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا وَّ لٰكِنَّ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ٥

اور (اے محمدﷺ) ہم نے آپ کو تمام نوع انسانی کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سورۃ سبا، آیت ۲۸)

شیخ کامل، رُوح کی ضرورت

صوفی عارف سہیل

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ'' تم اللہ رب العزت کو راحت میں نہ بھولو وہ تمہیں مصیبت میں نہ بھولے گا''۔

اِس حدیث پاک کی روشنی میں ہم اگر اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا عمل اس کے بالکل برعکس ہے ہم دنیا کی طلب میں اس قدر منہمک ہیں اس قدر مصروف ہیں کہ مرنا ہی بھول گئے ہیں اس جہاں کو چھوڑ کر اصلی حقیقی جہاں کی طرف جانا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اس سے دوری، غفلت ہی ہمارے زوال کا سبب بنی ہوئی ہے۔

غموں سے، دکھوں سے نجات کا ذریعہ یہ ہے ہم پورے عزم واستقلال، دیانتداری، اخلاص سے روح اسلام کو اپنی عملی زندگیوں میں جاری وساری کریں، تخریب ہر شئے کے وجود میں مضمر ہے اس کیلئے کسی محنت کی ضرورت نہیں عدم توجہی سے یہ خود بخود اُبھرآتی ہے یہ ایک منفی فعل ہے اسکے برعکس تعمیر محنت طلب ہے، توجہ چاہتی ہے یہ ایک مثبت جذبہ ہے بالعموم پیش نظر تو یہی جذبہ ہوتا ہے لیکن بسا اوقات ہمارے افعال تخریبی رُخ اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح مقصد تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے آسانی سے سمجھنے کیلئے یہ ہے کہ امراض دو طرح کے ہوتے ہیں روحانی اور جسمانی جنہیں باطنی اور ظاہری بھی کہتے ہیں، جیسے قرآن پاک میں تھے''

وذروظاهر الاسم و باطنه٥

''چھوڑدو وہ گناہ جو تم ظاہر میں کرتے ہو اور باطن میں''

البتہ روحانی امراض اتنی آسانی سے محسوس نہیں کئے جاتے۔ جوں جوں نور ایمانی مدھم پڑتا جاتا ہے ان امراض کی نوعیت کا احساس بھی ماند پڑ جاتا ہے۔ جسمانی امراض سے چھٹکارا پانے کیلئے انسان اپنا وقت اور اپنا سرمایہ صرف کرتا ہے محنت ومشقت اُٹھاتا ہے کسی مستند ڈاکٹر حکیم سے رجوع کرتا ہے۔ لیکن باقی امراض کی طرف سے بالکل غفلت برتتا ہے اور اس طرح آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

جسمانی امراض کی طرح روحانی امراض بھی بے شمار ہیں۔ حسد، بغض، کینہ، جھوٹ، غیبت، نفس پروری، خود غرضی، فریب، ریا کاری، حرص، بخل، تکبر، خوشامد، عداوت، رنجش، بے شمار

روحانی امراض ہیں جو انسان کیلئے مہلک ہیں اور سراسر تخریبی ہیں۔ اِن امراض سے لاپرواہی اور غفلت برتنا کوئی دانش مندی و عقل مندی نہیں بلکہ سراسر بے وقوفی ہے اور یہی غفلت ہماری موجودہ اخلاقی پستی، جنسی بے راہ روی، ذلت و خواری کا سبب ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے۔

''صادق اور راست باز انسان سات دفعہ بھی گرے تو ہمت سے کام لے کر اُٹھ پڑتا ہے مگر شریر کا ذب بلا میں گر کر پڑا رہتا ہے''۔ اس قول کی روشنی میں اپنا مقام خود تعین کریں۔ اگر ایمان کی ہلکی سی بھی کرن باقی ہے تو یقیناً شرمندگی ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ اِن بیماریوں کا تدارک کیسے ہو۔

اِس دنیا میں ہر فن کے ماہر اُستاد، انجینئر، سائنس دان موجود ہیں۔ اِسی طرح روحانی امراض کے ماہر بھی موجود ہیں۔ مربی شفیق اُستاد، پیر، راہنما کوئی بھی نام دے لیں۔

بغیر صحبت کے کوئی کمال حاصل نہیں ہوتا، صحبت سے ہی صحابی بنے تھے۔ شیخ کامل ہی بتائے گا کہ آپ میں حرص ختم ہوئی ہے کہ نہیں۔ کینہ، بغض، جھوٹ اور یہ بھی نفس کی مکاریاں جو راہ سلوک میں سالک کو پیش آتی ہیں وہ بھی بتائے گا۔ مختلف بیماریاں جو راہ سلوک میں سالک کو پیش آتی ہیں سبقاً سبقاً عرض گزار کروں گا۔ تا کہ اس کی بدولت ہماری بھی آہستہ آہستہ اصلاح ہو جائے۔ آمین

گناہ اِس راستہ میں سالک کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں گناہوں کی وجہ سے بعض اوقات بڑے بڑے مقامات میں، سالک پیچھے رہ جاتا ہے۔ گناہ ہلکا یا وزنی نہیں ہوتا۔ بلکہ گناہ مثل چنگاری ہوتا ہے۔ چھوٹی سی چنگاری بھی آگ بن جاتی ہے، اور مکان کو جلا ڈالتی ہے گناہ کہتے ہیں اللہ رب العزت کی نافرمانی کرنا، گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ۔ اِن کی علیحدہ بحث ہے مگر گناہ ہونے میں برابر ہیں۔

مختصر یہ کہ کسی کامل شیخ کی صحبت کی بدولت بڑے بڑے گناہ دنوں میں چھوٹ جاتے ہیں ان کی صحبت انسان بناتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے بڑے بڑے لوگ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدث، مفکر، علامہ غرض جس نے بڑا مقام پایا ہے وہ کسی نہ کسی کامل شیخ کی صحبت کی برکت سے حاصل ہوا۔ اِن مشائخ کے سینے میں ایک نور ہوتا ہے جسکی بدولت آدمی کے اندر تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔ دنوں میں تبدیلی ہم نے کئی لوگوں میں دیکھی، محبت الٰہی کا جنون، حب رسولؐ، عاجزی، کبر کا خاتمہ، بے راہ روی سے سیدھی راہ پر آنا۔ دنوں میں مشاہدہ ہوا ہے۔ ان گنت واقعات گواہ ہیں اللہ رب العزت ہمیں کسی کامل شیخ کی صحبت عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین!

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

(میاں علی رضا)

(1) عرفان ذات باری تعالیٰ تک پہنچنے کے صرف دو راستے ہیں ایک راستہ عشق کا ہے جو جذب کہلاتا ہے دوسرا عبادت وتقویٰ کا ہے۔ جس کو سلوک کہتے ہیں۔

(2) میں آپ کو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں۔

(3) میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے۔

(4) میں آپ کو فقر محمدی ﷺ سکھانا چاہتا ہوں۔

(5) مخلوق سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہارے خالق کی نشانی ہے۔

(6) آپکو رجائی (Optomist) بننا چاہیے یعنی ہر حالت میں خوش اور پر اُمید رہنا چاہیے۔

(7) جب تک قوت برداشت پیدا نہ ہو جائے اصلاح کیلئے قدم نہیں بڑھانا چاہیے۔

(8) قوت برداشت صرف انہی لوگوں میں پیدا ہوتی ہے جو غصہ کو نفی کردیتے ہیں۔

(9) وقت اور وعدے کی پابندی کردار انسانی کی عمارت میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

(10) میں تم سب کو بیدار بلکہ زندہ صوفی بنانا چاہتا ہوں۔

(11) ہمیشہ خوش رہا کرو۔ دل میں خدا کو بسائے رکھو۔ ہاتھ پاؤں کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔

(12) مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مر جاؤ۔

(13) خلق خدا کی محبت اور خدمت کے جذبہ کو اور ترقی دیں۔ ہمیشہ حق پر چلنے کی کوشش کریں۔

(14) تصوف کا موضوع و مقصد ہے اللہ کی معرفت حاصل کرنا۔

(15) ہر سانس سے، جو باہر نکلے یا اندر آئے لفظ اللہ دل میں کہا جائے آواز نکالے بغیر۔

(16) ہر وہ شے جو خدا کی یاد سے غافل کردے راہ سلوک کی رکاوٹ ہے۔

(17) نماز پنج وقتہ جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔

(18) نماز ایسی ہو کہ نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک برابر اللہ تعالیٰ ہی یاد رہے۔

(19) یاد خدا کے اِنتہائی مدارج یہ ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس ہونے لگتا ہے، اس کو حضوری کہتے ہیں۔

(20) دنیا کی تمام چیزوں سے دلی تعلق توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لیا جائے اِسی کو قطع ماسویٰ اللہ کہتے ہیں۔

(21) جو واقعات تم کو اپنی مرضی کے خلاف پیش آئیں ان کو منجانب اللہ سمجھو اور ان پر صرف صبر ہی کرو بلکہ خوشی سے برداشت کرو۔ اِسی کو تسلیم و رضا کہتے ہیں۔

(22) صبر کے معنی انتہائی قوت برداشت سے کام لینے کے ہیں۔

(23) توکل یہ ہے کہ کتنا ہی مشکل اور ناممکن کام ہو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اِس پر عمل شروع کردو۔

(24) نفرت کا جذبہ تصفیہ قلب میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاس ثقفی

طالب الہاشمی

قبول اسلام سے پہلے طائف کے بنوثقیف بڑے اور بدخو لوگ تھے دین حق سے ان کی دشمنی اور سرکشی کا یہ عالم تھا کہ ۱۰ھ بعد بعثت میں رحمت عالم ﷺ تبلیغ دین کیلئے ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھ دیا اور دعوت توحید کے جواب میں حضور ﷺ کو نہ صرف تضحیک و تمسخر کا نشانہ بنایا۔ بلکہ آپ پر پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ سخت زخمی حالت میں طائف سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر ۸ھ ہجری میں اہل حق نے طائف کا محاصرہ کر لیا تو بنوثقیف نے شدید مزاحمت کی اور پتھر اور تیر برسا کر کئی مسلمانوں کو شہید کیا۔ لیکن قدرت کی کرشمہ سازیاں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ ابھی اس واقعہ کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اہل طائف کے دل پھیر دیئے اور ۹ھ ہجری میں انہوں نے خود بخود آستانہ اسلام کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس سال بنوثقیف کا ایک وفد عبد یالیل کی سرکردگی میں مدینہ منورہ آیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی جو پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو کر مدینہ منورہ میں مقیم تھے، انہوں نے حضور ﷺ کے ایماء پر اس وفد کو صحنِ مسجد میں خیمے لگا کر ٹھہرایا اور اہل وفد کی بہت خاطر تواضع کی۔ اس وفد نے مدینہ منورہ میں کافی عرصہ قیام کیا۔ اِس دوران میں رئیس وفد عبد یالیل نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کئی رعایتوں کی درخواست کی۔ جن میں ترکِ نماز، شراب نوشی اور سودی لین دین کی اجازت کے علاوہ جہاد سے استثناء کی رعایتیں بھی شامل تھیں۔ سرورِ عالم ﷺ نے پہلی تین رعایتیں دینے سے یکسر انکار فرما دیا۔ البتہ ان کو وقتی طور جہاد سے مستثنیٰ کر دیا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ جب اسلام ان کے دل میں راسخ ہو جائے گا تو یہ خود بخود جہاد کیلئے نکلیں گے۔ اہل طائف نے ارشادِ نبوی ﷺ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور کلمہ توحید پڑھ کر حضور ﷺ کی بیعت سے مشرف ہو گئے۔

بنوثقیف کے وفد میں ایک صحت مند نوجوان بھی شامل تھا جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا نہایت نیک فطرت اور دانا تھا۔ اس کی پیشانی نورِ سعادت سے چمک رہی تھی اور وہ

اندوزِ اسلام ہونے کیلئے سخت بے چین تھا۔ یہ نوجوان مدینہ منورہ میں وارد ہوتے ہی اہل وفد سے الگ ہوگیا اور علیحدگی میں حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف اسلام سے بہرہ ور ہوگیا۔ وفد کے اکابر تو مختلف مسائل کے بارے میں حضورﷺ سے گفتگو میں مشغول ہو گئے اور اس نوجوان نے ان سے چھپ کر پہلے تو۔۔ سرورِ عالمﷺ سے قرآنِ حکیم کا کچھ حصہ پڑھا اور بڑے ذوق وشوق سے حضرت اُبیؓ بن کعب انصاری سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ایک دن سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کا علمی شوق دیکھا تو فرمایا: ''یہ لڑکا تفقہ فی الدین اور تعلیم قرآن کا بہت مشتاق ہے''۔

رحمت عالمﷺ بھی اس نوجوان کے علمی شوق اور اعلیٰ صلاحیتوں سے آگاہ ہوگئے۔ چنانچہ جب بنوثقیف کے وفد نے رُخصت ہوتے وقت حضورﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی امام مقرر فرمادیجئے تو آپؐ نے اس نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

''یہ دانا آدمی ہے اور یہی تمہارا امیر اور امام ہوگا''۔

تمام اہل وفد نے حضورﷺ کے ارشاد کے سامنے سر جھکا دیا۔ پھر آپؐ نے اس نوجوان سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

''نماز پڑھاتے وقت لوگوں کی حالت کا خیال رکھنا۔ اِن میں بوڑھے، بچے، بیمار، کمزور اور کاروباری ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں''۔

یہ جوان صالح جن کو حصولِ علم کا اس قدر شوق تھا اور جن کو کم عمر ہونے کے باوجود بارگاہِ رسالت سے نہ صرف دانائی کی سند عطا ہوئی بلکہ بنوثقیف جیسے زبردست قبیلے کی امارت وامامت بھی تفویض ہوئی، حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی تھے۔

سیدنا حضرت ابوعبداللہ عثمانؓ بن ابی العاس کا شمار سید الانامﷺ کے اِن صحابہؓ میں ہوتا ہے جو آسمان علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب بھی تھے، اور شوقِ جہاد، شجاعت اور جوانمردی کے لحاظ سے بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت عثمانؓ کا تعلق مشہور قبیلہ بنوثقیف سے تھا جس کا مسکن طائف کا پرفضا اور شاداب شہر تھا۔ حضرت عثمان اِسی شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں سنِ رشد کو پہنچے۔ سلسلہ

نسب یہ ہے۔

عثمانؓ بن ابی العاص بن بشر بن دہمان بن عبداللہ بن ہمام بن آبان بن یسار بن مالک بن خطیط بن جشم ثقفی۔

بنوثقیف نہایت سخت مزاج اور کھردرے لوگ تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نہایت سلیم الطبع اور نرم خو نوجوان تھے۔ بدِ شعور کو پہنچ کر انہوں نے دعوتِ توحید کا چرچا سنا تو اپنے فطری رجحان کے باعث وہ اس سے بہت متاثر ہوئے اور حق کے داعی اعظم ﷺ کی زیارت اور اسلام کی تعلیمات سے پوری طرح آگاہ ہونے کیلئے بے چین رہنے لگے۔ چنانچہ غزوہ طائف کے بعد جب بنو ثقیف کے وفد نے بارگاہِ نبوت میں حاضری کیلئے مدینہ کا رُخ کیا تو وہ بھی اس وفد میں شامل ہو گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو تبرکاً تھوڑا سا قرآن پڑھایا اور پھر وہ بڑے ذوق وشوق سے قیام مدینہ کے دوران میں حضرت اُبیؓ بن کعب سے قرآنِ کریم اور دینی مسائل کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اپنے علمی شوق اور اخلاص فی الدین کی بدولت وہ بہت جلد سرورِ عالم ﷺ کے موردِ الطاف بن گئے اور بالآخر بارگاہِ رسالت سے بنوثقیف کی امارت اور امامت کا اعزاز حاصل کیا۔

اا ہجری میں سرور عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنہ ارتداد (ردہ) کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ اِن شعلوں کی حرارت کا اثر طائف تک پہنچا تو حضرت عثمانؓ بن ابی العاص بے چین ہو گئے۔ انہوں نے تمام بنوثقیف کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں فرمایا کہ ''اے ثقیف کے لوگو! تم سبقت فی الاسلام سے محروم رہے اور اس وقت یہ نعمت حاصل کی جب عرب کے دوسرے سب قبائل اس سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ اس دیر کی تلافی اس نازک گھڑی میں تم دین حق پر ثابت قدم رہ کر کر سکتے ہو۔ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ گمراہی کے اس طوفان کا اثر قبول کرو اور شرفِ ایمان کو کھو بیٹھو، دیکھنا اس وقت تمہارے قدم ہرگز نہ ڈگمگانے پائیں''۔ حضرت عثمانؓ کی پر اثر تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ طائف پر ارتداد کے اُمڈتے ہوئے بادل آناً فاناً چھٹ گئے اور بنوثقیف نے فتنہ ارتداد کا ڈٹ کر

مقابلہ کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پورے عہدِ خلافت میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص طائف کے امیر رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی وہ اِسی منصب پر قائم رہے۔ ۱۴ھ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے بصرہ کا شہر آباد کرایا تو وہاں کے لوگوں کی تعلیم وتعلم کیلئے ان کی نظر حضرت عثمانؓ ثقفی پر پڑی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بصرہ بھیج دیا۔ ایک ہی سال بعد حضرت عمر فاروقؓ کی نگاہِ مردم شناس نے حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو بحرین اور عمان کی امارت (گورنری) کیلئے منتخب کیا۔ حضرت عثمانؓ نے عمان کو اپنا مستقر بنایا اور اپنے بھائی حکمؓ بن ابی العاص کو اپنا نائب بنا کر بحرین بھیج دیا۔

علامہ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ عثمانؓ بن ابی العاص نے کچھ عرصہ بعد ایک بحری بیڑا تیار کیا اور اسے ہندوستان پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ یہ بحری بیڑا گجرات اور کوکن بمبئی کی سرحد پر واقع بندرگاہ تھانہ تک پہنچا۔ مجاہدین اسلام نے اس شہر کو فتح کرلیا۔ لیکن اس پر اپنا قبضہ دیر تک نہ رکھا۔ کیونکہ ان کا مقصد بحری ڈاکوؤں کا انسداد اور ہندوستان کے حالات معلوم کرنا تھا۔ چنانچہ وہ چند دن بعد تھانہ سے بے شمار مالِ غنیمت لے کر واپس عمان آ گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ ہندوستان (گجرات کاٹھیاواڑ) پر عربوں کا یہ پہلا حملہ تھا۔

حضرت عثمانؓ نے یہ بیڑا روانہ کرتے وقت حضرت عمر فاروقؓ کی اجازت نہیں لی تھی۔ اس لئے جب انہوں نے دربارِ خلافت میں اپنی کامیابی اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کی اطلاع روانہ کی تو امیر المومنین نے ان کی اس مہم جوئی کو پسند نہ کیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کی جانوں کو خطرے میں ڈالا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ایک سخت خط بھیجا۔ جس میں لکھا کہ:

''اے برادرِ ثقفی! تم نے یہ لشکر نہیں بھیجا تھا بلکہ گویا ایک کیڑے کو لکڑی پر بٹھا کر سمندر میں ڈال دیا تھا۔ اگر یہ لوگ مصیبت میں پھنس جاتے تو خدا کی قسم میں تم سے اور تمہاری قوم سے اس کا مواخذہ کرتا''۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اس تہدیدی خط کے باوجود حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے ہندوستان پر بحری حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک وہاں کے مقامی حالات ایسے ہی حملوں کا تقاضا کرتے تھے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ دوسری دفعہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بھائی مغیرہؓ بن ابی العاص کو ایک بیڑا دے کر ہندوستان روانہ کیا۔ وہ سندھ کے مشہور شہر دیبل پہنچے اور دشمنوں کو شکست دے کر مالِ غنیمت کے ساتھ بحرین واپس آئے۔ (ایک روایت یہ بھی ہے کہ مغیرہ دیبل میں شہید ہو گئے) تیسری مرتبہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دوسرے بھائی حکمؓ بن ابی العاص کو ایک بیڑے کا افسر بنا کر ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ وہ بھڑوچ کو مسخر کر کے واپس آئے۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان حملوں کا مقصد صرف ان بحری لیٹروں کا قلع قمع کرنا تھا جو عربوں کے جہاز لوٹ کر سندھ اور کاٹھیاواڑ کی بندرگاہوں میں پناہ لیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان حملوں کے ذریعے یہ مقصد بڑی حد تک حاصل کر لیا اور جہازوں کو بحری قزاقوں کی تاخت وتاراج سے کافی عرصہ کیلئے نجات مل گئی۔

۲۱ھ ہجری میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کی زندگی کا وہ ولولہ انگیز دور شروع ہوا جس میں وہ عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی کے نامور سپہ سالاروں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس سال حضرت عمر فاروقؓ نے ایران پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیے اور ان کو اپنے چند مشہور افسروں کے سپرد کر کے مختلف شہروں اور علاقوں کی تسخیر پر مامور کیا۔ ان افسروں پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاص بھی تھے جنہیں اصطخر کی تسخیر کا کام سونپا گیا۔ اصطخر فارس کا نہایت اہم شہر تھا۔ اور اس پر فوج کشی گویا فارس پر فوج کشی تھی۔ اہل فارس کو بھی دم دم کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا مرکز توج کو بنا کر بڑے زور شور سے مسلمانوں کے مقابلے کی تیاری کی۔ حضرت عثمانؓ جزیرہ ابر کاوان فتح کر کے طوفان کی طرح توج کی طرف بڑھے۔ اور ایرانیوں کے تمام دفاعی انتظامات کو روند کر توج پر علم اسلام بلند کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس شہر میں کچھ عرصہ قیام کر کے وہاں مسجدیں بنوائیں، اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کیے۔

(ایک روایت یہ ہے کہ جزیرہ ابرکاوان اور توج حضرت عثمانؓ کے بھائی حکمؓ بن ابی العاص کے ہاتھ پر فتح ہوئے) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسلامی لشکر کو مختلف مقامات پر پھیلا دیا۔ ایرانیوں کو ہر جگہ شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور سابور، اردشیر اور اصطخر وغیرہ بہت سے اہم شہر باری باری فتح ہو گئے۔ اس زمانے میں فارس کا گورنر، شہرک، نامی ایک جنگجو ایرانی سردار تھا۔ اس نے مسلمانوں کی پیشقدمی روکنے کیلئے ایک جرار لشکر جمع کیا اور رامشہر میں چھاؤنی ڈال دی۔ حضرت عثمانؓ نے سوار بن ہمام اور اپنے بھائی حکمؓ بن ابی العاص کو شہرک کے مقابلے پر روانہ کیا۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی اور اعلان کیا کہ جس شخص نے پیچھے قدم ہٹایا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اُدھر مسلمانوں کے جوش وخروش کی بھی کوئی انتہا نہیں تھی۔ غرض فریقین میں گھمسان کا رن پڑا۔ شہرک نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن جوش میں بھرے ہوئے مسلمانوں کی یلغار کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ چلی۔ ایرانیوں کو زبردست شکست ہوئی اور شہرک میدانِ جنگ میں کام آیا۔ رامشہر کی تسخیر کے بعد حضرت عثمانؓ نے ہرمؓ بن حیان عبدی کو قلعہ شیر پر چڑھائی کا حکم دیا۔ انہوں نے اس قلعہ کو فتح کرلیا۔ خود حضرت عثمانؓ نے جرہ، کازرن نوبندخان اور ان کے نواحی علاقوں کو مفتوح کیا۔ اسی دوران میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ شعریؓ والی بصرہ کو حکم بھیجا کہ وہ فارس کی تسخیر میں حضرت عثمانؓ کی مدد کیلئے بصرہ سے وقتاً فوقتاً امدادی دستے بھیجنے شروع کر دیئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ خود ایک فوج لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آ گئے اور دونوں نے مل کر شیراز، ارجان، سینسیر وغیرہ کو زیر نگین کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اپنے لشکر کے ساتھ حصن جنابا، داراب جرد، جہرم اور فسا پر یلغار کی اور ان کو خلافت اسلامیہ کا مطیع بنایا۔ ۲۳ ہجری میں انہوں نے فارس کے دارالحکومت سابور پر چڑھائی کی۔ اس وقت فارس کا گورنر مقتول شہرک کا بھائی تھا۔ اس کو مسلمانوں سے مقابلے کی ہمت نہ پڑی اور اس نے حضرت عثمانؓ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے چند شرطوں پر اسے منظور کرلیا۔ اس طرح سارا فارس کچھ بزورِ شمشیر اور کچھ صلح کے ذریعے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔

فارس کی تسخیر کے ساتھ ہی یا اس کے معاً بعد حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی اور حضرت

عثمان ذوالنورین سریر آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کی فوجی سرگرمیاں ان کے عہد میں بھی جاری رہیں۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ اہل سابور نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کردی اور اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ ۲۶ھ ہجری میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے سابور پر ایک پُرزور حملہ کیا اور باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر سابور پر پھر پرچم اسلام لہرایا۔ ابن جریر طبریؒ کے بیان کے مطابق اہل اصطخر بھی اسی زمانے میں باغی ہوگئے تھے۔ ۲۷ھ ہجری میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے دوبارہ یلغار کرکے ان کو مطیع ومنقاد بنایا۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو اصطخر کی تسخیر کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوئے اور حافظ ابن عبدالبرؒ کی روایت کے مطابق انہوں نے حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو بارہ ہزار جریب زمین بطور انعام عطا فرمائیں۔ فتح اصطخر کے بعد حضرت عثمانؓ کی سرگرمیوں کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں۔ حافظ بن حجر عسقلانیؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ اپنے وقت کے اس رجل عظیم نے ۵۵ھ ہجری کے لگ بھگ سفر آخرت اختیار کیا۔ ازواج واولاد کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا شمار فضلائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کو صحبت نبوی ﷺ سے فیض یاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملا پھر بھی ان سے انتیس ۲۹ حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں سعید بن مسیبؒ، نافع بن جبیرؒ، موسیٰ بن طلحہؒ اور ابن سیرینؒ جیسے اکابر تابعین شامل ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ، حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کے بے حد مداح تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ عثمانؓ فضل وکمال میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ فی الحقیقت حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کی ذات علم وعمل کی جامع تھی۔ انہوں نے اخلاص فی الدین اور راہِ حق میں سرفروشی کے جو نقوش صفحہ تاریخ پر ثبت کیے وہ تا ابد فروزاں رہیں گے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قربانی اور اس کے مسائل

حافظ شہزاد احمد

قربانی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے۔ جتنی مذہب کی تاریخ یا خود انسان کی اپنی تاریخ۔ انسان نے مختلف ادوار میں عقیدت، سپردگی، جانثاری، عشق ومحبت، عجز ونیاز، ایثار قربانی اور پرستش وعبدیت کے جو جو طریقے رائج کیے ہیں۔ اسلامی شریعت نے انسانی نفسیات اور جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے وہ تمام طریقے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دیئے ہیں۔ دنیا کے ہر مذہب کے لوگ اپنے معبودوں کے حضور جو جان کی قربانیاں پیش کرتے تھے۔ شریعت اسلامی نے اسے اپنے خدائے واحد کے لیے خاص کر لیا۔ اور اپنے اللہ کے سوا ہر ایک کے لیے اسکو قطعاً حرام قرار دے دیا ہے۔ قربانی کا حکم تمام الٰہی شریعتوں میں ہمیشہ موجود رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ۔ (حج۔34)

ترجمہ (اور ہم نے ہرامت کے لیے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے۔ تاکہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں۔ جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔)

مختلف زمانوں مختلف قوموں اور مختلف علاقوں کے نبیوں کی شریعتوں میں قربانی کے قاعدے اور تفصیلات مختلف رہی ہیں۔ مگر بنیادی طور پر تمام شریعتوں میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ جانور کی قربانی صرف اللہ کے لیے کی جائے اور اس کا نام لے کر کی جائے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا (حج۔36)

ترجمہ! پس ان جانوروں پر صرف اللہ کا نام لو۔

قربانی کے جانور کو اللہ ہی کے نام پر ذبح کرو اور اس کی رضا کے لیے ہی ذبح کرو کیونکہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں یہ جانور مہیا کیے ہیں۔ اور تمہارے لیے مسخر کیے ہیں اور ان جانوروں میں

تمہارے لیے مختلف فائدے رکھے ہیں۔

اس وقت دنیا کے ہر خطے اور علاقے میں مسلمان جو قربانی کرتے ہیں۔وہ دراصل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے قرآن پاک میں اس عظیم قربانی کے واقعے کو اللہ نے اس طرح پیش فرمایا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ○ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الصفت 102 تا 111)

ترجمہ!(پس جب وہ (اسمٰعیل علیہ السلام) ان (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچے تو (ایک دن) ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ سے کہا کہ اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کررہا ہوں۔غور کرو، اب کیا ہونا چاہیے۔اسمٰعیلؑ نے (بلا تامل) کہا۔ اے ابا جان آپکو جو حکم دیا جارہا ہے اسے کرڈالیے۔انشاءاللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ آخر جب باپ بیٹے دونوں نے خدا کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو منہ کے بل (زمین) پر گرا دیا۔تو ہم نے نداء دی۔اے ابراہیم تم نے خواب سچ کردکھایا۔ہم احسان کرنیوالوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔دراصل یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔اور ہم نے ایک عظیم قربانی فدیے میں دیکر ان (اسمٰعیلؑ) کو چھڑالیا۔ہم نے پیچھے آنیوالی امت میں ابرہیمؑ کی یہ سنت (یادگار) چھوڑ دی۔سلام ہے ابراہیمؑ پر ہم اپنے فداکاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

امت مسلمہ میں قربانی کی یہ عظیم الشان یادگار حضرت اسمٰعیلؑ کا جذبہ ہے۔اللہ نے اس

فدیے کے عوض اسمٰعیلؑ کی جان بخشی اب قیامت تک اسی تاریخ کو دنیا بھی میں مسلمان جانور قربان کرتے ہیں۔قربانی کی اصل جگہ تو وہیٰ ہے جہاں ہر سال لاکھوں حاجی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔قربانی دراصل حج کے اعمال میں سے ایک اہم عمل ہےلیکن اللہ تعالیٰ نے اس عظیم شرف سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں رکھا جو مکہ مکرمہ سے دور ہیں۔ بلکہ یہ حکم عام ہے۔ اور سارے صاحب نصاب مسلمانوں کے لیے ہے۔حدیث پاک میں قربانی کے بارے میں حضورعلیہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جوشخص وسعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرئے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔(ترمذی، مشکوۃ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں قربانی کے تین اہم مقاصد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔حقیقت میں قربانی یہی ہوتی ہے جوان مقاصد کے شعورر کھتے ہوئے کی جائے۔

1۔قربانی کے جانور خدا پرستی کی نشانی ہیں

قرآن پاک میں فرمایا کہ **وَالبُدنَ جعلنا ھالکُم مِن شَعَائِرِ اللہ۔**

ترجمہ! قربانی کے اونٹوں کو ہم نے شعائر اللہ قرار دیا ہے۔(الحج۔36)اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کرنے ولا دراصل ان جذبات کا اظہار کرر ہا ہے کہ ان جانوروں کا خون درحقیقت سیرے خون کا قائم مقام ہے میری جان بھی خدا کی راہ میں اس طرح قربان ہے جس طرح اس جانور کو قربان کرر ہا ہے۔

2۔قربان اللہ کی نعمت کا عملی شکر ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

کَذٰلِکَ سَخَّرنٰھا لَکُم لَعَلَّکُم تَشکُرُونَ۔(الحج۔36)

ترجمہ! اسی طرح اللہ نے ان چوپاؤں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔تاکہ تم شکر ادا کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسان کیلئے مسخر فرما کر اس پر عظیم احسان فرمایا ہے ان جانوروں سے انسان مختلف قسم کے فائدے اُٹھاتا ہے۔قرآن پاک ان فوائد اور تسخیر کا ذکر فرما کر انسان کے اندر احسان مندی کے جذبات اُبھارنا چاہتا ہے اور یہ فکر پیدا کرنا

چاہتا ہے کہ جس مالک نے یہ عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔ اِسی کے نام پر قربانی دینی چاہیے۔ اس لئے قربانی خدا کی عظیم نعمت کا عملی شکر ہے۔

3۔ قربانی خدا کی عظمت اور کبریائی کا اظہار ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ!

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ٥ (الحج۔ 37)

ترجمہ! اِسی طرح اللہ نے ان چوپاؤں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ تا کہ تم اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اِس کی بڑائی کا اظہار کرو۔

- اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ جس اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے۔ اور ہمارے لیے اس کو مسخر کیا ہے۔ وہی اس کا حقیقی مالک ہے اور مسلمان اپنے دل میں خدا کی بڑائی اور عظمت پر یقین رکھتے ہیں۔

قربانی کرنے والے کے لیے مسنون عمل

جو شخص قربانی کا ارادہ کرے۔ وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصے کے بال کاٹے اور نہ مونڈے، نہ ناخن کتروائے۔ پھر جب قربانی کا جانور ذبح کر لے تو بال اور ناخن وغیرہ بنوائے یہ عمل مسنون ہے واجب نہیں۔

حضرت اُمِ سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جس کو قربانی کرنا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ اپنے بال بنوائے اور نہ ناخن کٹوائے۔ یہاں تک کہ وہ قربانی کر لے۔

(مسلم، جمع الفوائد)

جو شخص قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو اس کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے بال کاٹے اور نہ مونڈے اور نہ ناخن کتروائے، خدا کے نزدیک اس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں 10 ذوالحجہ کو عید مناؤں اللہ نے اس دن کو اس اُمت کیلئے عید کا دن قرار دیا ہے۔ ایک شخص

نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ بتایئے اگر میرے پاس ایک ہی بکری ہو۔ جو کسی نے مجھے دودھ کیلئے دے رکھی ہے تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو۔ بلکہ قربانی کے دن اپنے بال بنوالینا۔ اپنے ناخن کٹوالینا۔ اپنی مونچھیں کترواکر درست کروالینا۔ اور زیرناف کے بال صاف کرلینا۔ بس خدا کے نزدیک یہی تمہاری قربانی ہوجائے گی۔

(نسائی، ابوداؤد)

قربانی کا حکم

قربانی واجب ہے۔ جو لوگ حج پر نہیں گئے۔ ان پر قربانی کے واجب ہونے کیلئے دو شرطیں ہیں۔

(1) جس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے۔ اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

(2) وہ مقیم ہو۔ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

قربانی کے جانور اور ان کے احکام

قربانی کے جانور یہ ہیں

اونٹ، اونٹنی، دُنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔

دُنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ کی قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

گائے، بھینس، اُونٹ وغیرہ کی قربانی میں سات حصے ہوسکتے ہیں۔ سات سے زائد نہیں!

حدیث پاک کا مفہوم ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا

البقرة عن سبعة والجذور عن سبعة (مسلم)

ترجمہ:۔ گائے سات افراد کی طرف سے اور اونٹ سات افراد کی طرف سے ہے۔

گائے، بھینس، اونٹ کی قربانی میں سات افراد سے کم بھی شریک ہوسکتے ہیں۔ مثلاً کوئی دو یا چار حصے کی قربانی کرے، مگر اس میں یہ بھی شرط ضروری ہے کہ کوئی حصے دار ساتویں حصے سے کم کا شریک نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

قربانی کے ایام اور وقت

عیدالاضحیٰ یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لیکر ذوالحجہ کی بارہویں تاریخ تک غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کے ایام ہیں ان تین ایام میں سے جب اور جس دن سہولت ہو قربانی کرنا جائز

ہے مگر قربانی کا افضل دن 10 ذوالحجہ کا ہے۔ پھر گیارہویں تاریخ پھر بارہویں تاریخ۔

شہراور قصبات کے باشندوں کیلئے نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں۔ جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب قربانی کریں۔ دیہات میں جہاں عید کی نماز نہیں ہو سکتی وہاں کے لوگ نمازِ فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔

قربانی کا طریقہ اور دُعا

جانور کو ذبح کرنے کیلئے اس طرح لٹایا جائے کہ اس کا رُخ قبلہ کی طرف رہے اور چھری تیز کر لی جائے۔ جہاں تک ہو سکے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کیا جائے اگر کسی وجہ سے خود ذبح نہ کر سکیں تو کم از کم اس کے پاس ہی کھڑا رہیں۔

قربانی کرتے وقت **بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرْ** کہہ کر ذبح کرنے کے بعد یہ دُعا پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ o

ترجمہ:۔ اے اللہ تو میری طرف سے اس قربانی کو قبول فرما۔ جس طرح تو نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی قربانی قبول فرمائی۔ دونوں پر درود و سلام ہو۔

قربانی کے متفرق مسائل

(1) اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو مال و دولت سے نوازا ہو۔ وہ صرف واجب قربانی پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ قربانی کا بے حد اجر و انعام پانے کیلئے فوت شدگان کی طرف سے بھی قربانی کر سکتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کریں۔ اپنے ماں، باپ، دادا، دادی دیگر رشتہ داروں اور بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کریں۔

(2) گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں اگر کئی افراد شریک ہوں تو گوشت کی تقسیم اندازے سے نہ کریں۔ بلکہ سری، پائے، گردہ، کلیجی وغیرہ کو شامل کر کے سات حصے بنائیں۔

(3) گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں تو وہ آپس میں گوشت تقسیم کرنے کی بجائے سب ایک ساتھ فقراء اور غریبوں میں تقسیم کر دیں یا پکوا کر کھلا دیں تو یہ بھی جائز ہے۔

(4) قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے۔

(5) قربانی کی کھال کسی حاجت مند کو خیرات میں دی جا سکتی ہے۔ یا کھال فروخت کر کے

اس کی رقم بھی دی جا سکتی ہے۔ یہ ان لوگوں کو دیں جن کو زکوۃ دی جاتی ہے۔

(6) قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں بھی لانا جائز ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کیلئے جائے نماز بنالیا جائے۔

(7) قصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت کھال یا رسی نہ دی جائے بلکہ مزدوری الگ دی جائے۔

(8) کسی سے قرض لیکر قربانی نہ کی جائے۔ یہ غیر مناسب بات ہے۔

قربانی کی اصل روح کیا ہے

دین اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لا کر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لگاتے تھے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗءُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۝

ترجمہ! اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اِس کا مطلب یہ ہے اللہ کے ہاں قربانی کے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو قربانی کرتے وقت لوگوں کے دِلوں میں ہوتے ہیں۔ قربانی گوشت اور خون کا نام نہیں بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اللہ کی نظر میں اس قربانی کی وقعت نہیں۔ جس کے پیچھے تقویٰ کے جذبات نہ ہوں۔ اللہ کے نزدیک وہی عمل مقبول ہوتا ہے۔ جس میں تقویٰ ہو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنی پوری زندگی قربانی ہی میں جاری و ساری رکھنے کی تعلیم دی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ! کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب (اللہ تعالیٰ) کیلئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

سفر نامہ کروایشیاء (قسط نمبر ٦)

طارق محمود

مسٹر ٹامی سلیوبائس المعروف مسٹر ٹام ہمارے Course Coordinator مقرر کیئے گئے تھے فیکلٹی کی طرف سے اس سے پہلے ہمارے ایک کلاس فیلو لال خان بھی یہاں چند ماہ گذار چکے تھے۔ان کے وقت میں ایک محترمہ INIS نامی یہ فرائض انجام دیتی تھی لیکن ''آئے ہیں ہم بیچاروں کے حصے میں مسٹر ٹام'' ایئر پورٹ سے لاتے ہوئے مسٹر ٹام نے ہمیں یہ اطلاع دی کہ INIS کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم کو اُس میزبانی کا عشر بھی نہ مل سکے گا جو وہ مہیا کر سکتی تھی۔ لال خان نے اس خاتون کی خاطر داریوں کا تذکرہ کر کے ہمارے احساسِ محرومی کو دو چند کر دیا۔ دلچسپی اور خوشی سے کیئے گئے اور فرض سمجھ کر نبھائے گئے کام میں فرق وضاحت کا محتاج نہیں۔ مسٹر ٹام نے اپنے فرائض کو وقت دیا لیکن کورس کی Coordination ان سے زیادہ وقت کی متقاضی تھی جو ان کے پاس ہمیشہ ہی کم رہا۔

مسٹر ٹام مذہب کی قیدوبند سے آزاد، خوش باش اور لا اُبالی قسم کی شخصیت کے مالک تھے۔ بات بے بات قہقہہ لگانا ان کی عادت سی بن گئی تھی خواہ بات کچھ ایسی خاص نہ بھی ہو۔ان کی شخصیت کی ایک اور خصوصیت سر منڈوائے رکھنا تھی۔ایک روز ہم نماز جمعہ کیلئے جا رہے تھے موسم خوشگوار نہ تھا۔ مسٹر ٹام سے سامنا ہوا تو میں نے کہا'' Mr Tom! You are very lucky'' کہنے لگے وہ کیسے؟ میں نے کہا کہ جس طرح کے اعمال و معاملات ہمارے ہیں، انکو دیکھتے ہوئے مجھے اپنا اور تمہارا معاملہ آخرت میں کچھ زیادہ مختلف نہیں لگتا لیکن تم نے دنیا تو بے خوف وخطر اور بغیر کسی دھڑکے کے گذاری اور گذار رہے ہو۔

اس کے بقول، یہ سعادت اس کے دادا کے حصے میں آئی کہ اس نے یہ جوا، مذہب کی قیدو بند کا، گردن سے اُتار پھینکا تھا اور --- باپ دادا کا یہ مذہب (یا لامذہبیت) اسے بھی Acceptable ہے۔

مسٹر ٹام کی شخصیت کا ذکر کرنے کی تحریک دراصل انکی ایک خوبی کا ادراک ہونے پر ہوئی جو نایاب تو نہیں مگر کمیاب ضرور ہے۔ دو مختلف موقعوں پر-- میں نے انکو دیکھتے ہی مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیا اس طرح کہ ایک دفعہ انکے دونوں ہاتھوں میں چند شاپر اور کچھ اشیاء تھیں اور دوسری مرتبہ

بھی دائیں ہاتھ میں کچھ اُٹھا رکھا تھا۔

انہوں نے دایاں ہاتھ تک نہیں بڑھایا جب تک تمام اشیاء بائیں ہاتھ میں منتقل نہیں کر لیں یا کہیں ٹکا نہ لیں۔ راقم السطور کی حساسیت اس معاملے میں خاصی زیادہ رہی ہے (اور اب بھی کم نہیں ہے، جب سگریٹ، بال پن یا چابیاں وغیرہ لئے ہوئے ہاتھ مصافحہ کیلئے بڑھتا ہے تو طبیعت کا تکدر چھپانا مشکل ہو جاتا ہے) دوسری مرتبہ مسٹر ٹام کی اس ادائے مصافحہ کو نوٹ کر کے میں نے ایک دن مسٹر ٹام سے کہا کہ میں انکی اس احتیاط کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا ہوں اور اس خوبی کو acknowledge کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

مسٹر ٹام نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ مصافحہ انسان کے ان جذبات کی عکاسی کرتا ہے جو وہ دوسروں کے بارے میں رکھتا ہے اس لئے اس بارے میں وہ احتیاط سے کام لیتے ہیں، ویسے یہ حقیقت ہے کہ بے جان سا مصافحہ طبیعت کو بے کیف ضرور کر دیتا ہے۔

یہ عجیب بات مشاہدے میں آئی کہ چند اشخاص جو اعلانیہ طور پر مذہب سے بیگانہ تھے، انسانی رویوں اور معاملات میں مذہبی رُجحان رکھنے والوں سے کہیں بہتر پائے گئے۔

ڈاکٹر اصغر قادر ہمارے دور میں شعبہ ریاضی کے چیئرمین تھے قائدِ اعظم یونیورسٹی میں، رائج الوقت عقائد و اعمال کا کوئی دخل ان کی زندگی میں نہ تھا لیکن اپنے فرائض کے معاملے میں بے حد محتاط، وقت کی پابندی، طلباء کی عزتِ نفس کا خیال رکھنے والا، ان سے زیادہ شاید ہی کوئی دیکھا ہو، مخاطب کی کج بحثی بھی انکو اشتعال دلانے یا معقولیت سے ہٹنے پر مجبور نہ کر سکتی تھی۔ اُسی یونیورسٹی میں ہمیں Statistics کے ایک دبنگ پروفیسر سے واسطہ پڑا انکے تیور دیکھ کر ابھی ہم ان سے بے تکلف نہ ہونے پائے تھے۔ معمول ان کا یہ تھا کہ پیریڈ شروع ہونے پر سب سے پہلے بلیک بورڈ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھتے اور پھر لیکچر شروع کرتے۔ چند دن تو میں دیکھتا رہا لیکن آخر تیسرے چوتھے روز، رگِ سوال پھڑک ہی اُٹھی ابھی انہوں نے بسم اللہ لکھنا شروع کی ہی تھی کہ میں لفظ اللہ پر انکو مخاطب کر کے کہا کہ سر! ذرا رُک جائیے۔ مجھے آپ پر ایک اعتراض ہے۔ جی فرمایئے؟ میں نے کہا سر! یہ انگوٹھی جو آپ نے پہن رکھی ہے مجھے سونے کی لگتی ہے۔ بولے بلاشبہ سونے کی ہے۔ میں نے کہا کہ جو کچھ ابھی آپ نے لکھا ہے اس میں اور اس انگوٹھی کو پہننے میں کوئی ربط مجھے سمجھ نہیں آیا۔ کہنے لگے یہ بات مجھے سمجھ نہیں آئی میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ

جناب! ابھی ابھی جو لفظ آپ نے لکھا ہے، اس کے حوالے سے تو یہ انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے۔ بولے کہ اس کا اس سے کیا تعلق ہے؟ میں اب بھی تمہاری بات نہیں سمجھا۔ کلاس جو کہ 40 لڑکوں پر مشتمل تھی دم سادھے یہ سوال جواب سن رہی تھی آخر ایک ہم جماعت نے جو اسلامی جمعیت سے وابستہ تھا، سیدھے لفظوں میں کہا کہ سر! ان کے کہنے کا مطب یہ ہے کہ سونا پہننا مرد کیلئے اسلام میں جائز نہیں ہے۔ کچھ دیر سکوت کیا اور انگوٹھی کو اُنگلی میں گھماتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ''میں تو یہ گذشتہ ۲۰ سال سے پہن رہا ہوں'' میں نے اسی طرح ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا کہ سر! اس کا بیس سال تک پہنے جانا۔ اس کے جائز ہونے کی دلیل تو نہیں بن سکتا۔

اب بات پروفیسر صاحب کی گرفت سے نکل گئی تھی۔ انہوں نے پہلو بدل کر نا گواری سے موضوع بدلتے ہوئے کہا So! This is period of statistis-not relegion we come to our topic------ معلوم نہیں کہ اہل قبلہ کی توجہ معاملات اور باہمی رویوں کی جانب کم کم کیوں ہوتی ہے۔ عبادات کا خصوصی اہتمام کرنے والے، معاشرتی معاملات سے بیشتر لاتعلق ہی نظر آئے۔

دیکھنے ہم بھی گئے۔۔ پر تماشا نہ ہوا!

ایک روز عزیزم اریب اظہر نے دعوت دی ایک پروگرام کی جس میں افریقہ سے آئے ہوئے ایک طائفے نے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا تھا۔ ہمیں ایک دوسرے شہر سے آتے آتے دیر ہو گئی۔ پتہ چلا کہ پروگرام خوب تھا۔ سن کر افسوس ہوا شامل نہ ہو سکنے کا۔ بعد میں ایک روز اریب نے بتایا کہ آج رات کچھ پروگرام ہوگا جس میں وہ افریقی ٹولہ بھی شامل ہوگا۔ پروگرام ایک گھر میں رکھا گیا تھا۔ پتہ تو اریب نے بتا دیا تھا لیکن مشکل ہونے کی وجہ سے طے پایا کہ ہم قریب پہنچ کر فون کر دیں گے اور وہ ہمیں آ کر ساتھ لے جائیں گے۔

شام میں، اشتیاق اور میں دریائے ساوا کے کنارے گئے۔ پتھروں پر بیٹھ کر میں نے روایت پاؤں ڈبونے والی پوری کی۔ اشتیاق نے بھی نقل بمطابق اصل کی، پانی کچھ شفاف نہ تھا۔ پتھروں پر مٹی کے آثار بھی تھے۔ تھوڑی دیر میں اس شوق سے جی بھر گیا۔ وہاں سے ڈاکٹر جاوید کے ہاں چلے گئے۔ جاوید صاحب کو جب بتایا دریائے ساوا سے قربت کے بارے میں تو انہوں نے تمسخر اُڑاتے ہوئے بتایا کہ یہ دریا تو سلووینیا سے آتے ہوئے خاصی آلودگی لئے ہوئے آتا ہے اور

مزید یہاں شامل ہوجاتی ہے اس لئے ہم نے شوقِ فضول پورا نہ کیا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔ ثابت ہوا کہ ہر بہتا پانی پاک نہیں ہوتا۔ کچھ اور شرائط بھی ہیں اِسکے پاک ہونے کیلئے۔

پروگرام کی سمت روانہ ہونے سے پہلے ارادہ بن گیا ایک نزدیکی ریسٹورنٹ سے وہی نان نما روٹی کباب کے ساتھ کھانے کا۔ یہ ریسٹورنٹ جاوید صاحب کے مطابق ایک لبنانی مسلمان کا ہے اس لئے یہاں گوشت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ کھانا کھا کر۔ بیرا بل لینے آیا تو اشتیاق صاحب نے بیرے سے استفسار کیا کہ یہ گوشت حلال ہے؟ اِن معنوں میں کہ جانور کو تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جاتا ہے؟ بیرے کو کیا سمجھ آتی اس نے سوالیہ انداز میں جاوید صاحب کو دیکھا۔ جاوید نے ترجمانی کی۔ اس نے کہا یہاں حرام گوشت کا کیا کام۔ مجھے حیرت تھی کہ اس سوال کی ضرورت کیا تھی جبکہ جاوید صاحب کو اس بارے میں پوری معلومات تھیں اور انہوں نے یہ بتا کر ہی ہمیں یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ اشتیاق کا بھی یہ دوسرا موقع تھا یہاں آنے کا۔

جاوید صاحب کو تعجب اس بات پر تھا کہ پوچھنے میں تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن کھانے کے بعد پوچھنے سے کیا حاصل۔ اگر شبہ دور کرنا تھا تو کھانے سے پہلے پوچھنا چاہئے تھا۔

بجا طور پر، ہم نے اس واقعے کو Enjoy کیا اور اشتیاق کو زچ کیا۔ میں نے اپنا پرانا موقف دہرایا کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ''تھا جو نا خوب۔ بتدریج وہی خوب ہوا'' والی بات ایک حقیقت ہے۔

اب روانگی تھی اس پروگرام کی طرف جس کا ذکر شروع میں ہوا تھا ٹرام میں بیٹھنے سے پہلے جاوید صاحب نے کہا کہ اریب کو فون کرنا کیسے ممکن ہوگا۔ ان کے موبائل کی بیٹری ڈاؤن تھی۔ میرے پاس کارڈ ہوا کرتا ہے وہ بھی Appartmant میں رہ گیا تھا۔ میں نے توکل اختیار کرنے کا کہا اور چل پڑے۔

ٹرام سٹاپ پر اُترتے ہی اریب کے طائفے کا ایک رُکن مل گیا جو ہمیں بغیر کسی کوفت کے گھر تک لے گیا کہ اِسکی منزل بھی وہی تھی۔ ''راہ آسان کرو ورنہ دردِ سر بسیار بود''۔

وہاں پہنچے تو Basement میں کافی مخلوق جمع تھی۔ سیاہ سے لیکر سفید تک سب رنگ موجود تھے۔ سگریٹ کے دھویں سے ماحول آلودہ۔ جوس اور شراب سے تواضع جاری تھی۔ میں نے حسبِ معمول ذائقے کو تاثیر پر ترجیح دی۔

پروگرام کے بارے میں پتہ چلا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ڈھول ڈھمکا شروع ہوا تو کچھ دیر میں پولیس نے آ کر وارننگ دے دی۔ وجہ یہ تھی کہ رہائشی علاقے میں اس طرح کی activity اہل محلّہ کو acceptable نہیں ہوتی۔ آرام میں خلل کی وجہ سے کچھ دیر اس گھٹن زدہ بند ماحول میں گذاری۔ رنگ میں بھنگ ڈلی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی۔ حاضرین سابقین کے انداز سے اریب نے پوچھا کہ یہاں آنے میں کوئی دقعت تو نہیں ہوئی کیونکہ وہ ہمارے فون کا انتظار کر رہے تھے۔

میں نے انہیں کہا کہ ہم جس کے راستے میں چل رہے تھے وہ بہت خیال رکھنے والی ہستی ہے اللہ کی طرح بے نیاز ہرگز نہیں۔ راہ حق کی جستجو میں برسوں گذرنے پر بھی کوئی راہنما نہیں ملتا لیکن دوسرے راستے، قدم قدم پر راہنمائی بمع دلجوئی کے کرتے ہیں۔

اریب نے فوراً کہا کہ اس نکتے پر وہ مجھ سے اتفاق کرنے کو تیار نہیں۔ اتفاق ہو بھی کیونکر سکتا ہے ان کو، کہ زد اِسکی براہِ راست اِنکے طرز زندگی پر پڑ رہی تھی۔

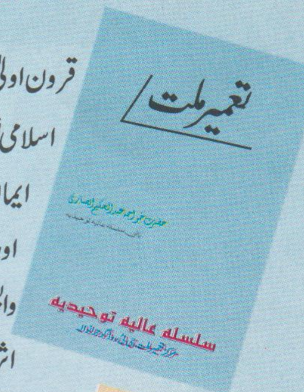
اشتیاق کو ایک خاتون گپ شپ کیلئے مل گئی جس سے انکی گفتگو ہمارے Interrupt کرنے تک جاری رہی۔ بقول انکے اس میں کچھ اخلاص کی بو نظر آ رہی تھی۔

میں اور جاوید بالکل کھلی فضا میں بیٹھ گئے۔ حاضرین نے ٹکریوں میں واپسی شروع کر دی تھی۔ یوں یہ محفل خدشات جسکے صبح 4 بجے تک جاری رہنے کے تھے۔ رات کے پہلے پہر ہی درہم برہم ہوگئی۔

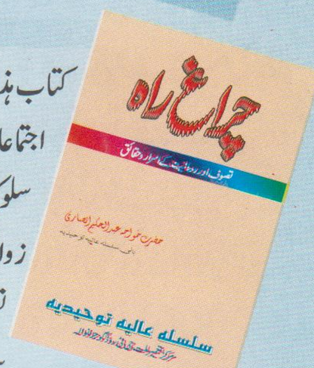
افسوس اِس لئے نہ ہوا کہ ایسے ماحول میں کسی بھی Event کو Enjoy کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ یک گونہ خوشی اس بات کی ہوئی کہ چہل قدمی بھی ہوگئی اور متوقع رقصِ ابلیس سے بھی مامون رہے (شاید یہ اہتمام راہِ راست والوں کی طرف سے ہو)

اریب نے شروع میں بتایا تھا (ایک دن پہلے) کہ وہاں کچھ لکھنے کیلئے مواد بھی مل سکے گا۔ نئی صورت حال میں کہنے لگے کہ چلیں ایک آدھ صفحہ تو لکھا ہی جائے گا۔ میں نے کہا عنوان تو مل گیا ہے مضمون کا، پوچھنے لگے وہ کیا؟ میں نے کہا ''دیکھنے ہم بھی گئے پر تماشا نہ ہوا''۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

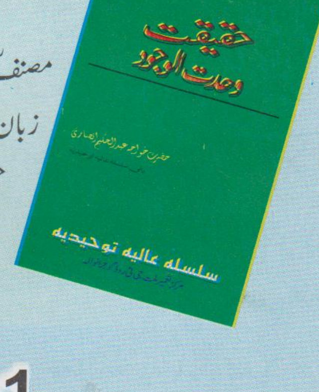
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net